قرآن مبین

خلاصۃ التفاسیر

باتفسیر اہلبیت علیہم السلام

نیز مختلف مکاتبِ فکر، قدیم وجدید اہم تفاسیر کا خلاصہ
اور آسان ترین واضح اُردو ترجمہ وتفسیر خاص طور پر نوجوانوں کیلئے

مفسرِ قرآن

ڈاکٹر محمد حسن رضوی

ناشر

معراج کمپنی لاہور

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔خلاصۃ التفاسیر

جلد۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جلد اوّل

مصنف۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ڈاکٹر محمد حسن رضوی

ترتیبِ نو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔قلب علی سیال فون:0333-4031233

کمپوزنگ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔فضل عباس سیال (الحمد گرافکس لاہور)

سال اشاعت۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔2014ء

ناشر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور

ہدیہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

ملنے کا پتہ

قرآن سینٹر 24 الفضل مارکیٹ اُردو بازار لاہور

فون نمبرز۔042-37314311,0321-4481214

عرضِ ناشر

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ نمبر
سُوۡرَۃُ الۡفَاتِحَۃِ	8
ترجمہ	8
سورۂ فاتحہ کی تفسیر	9
سورۂ فاتحہ کی فضیلت:	9
تفسیر آیت نمبر ۱	10
فوائد:	10
معنی:	11
الفاظ کی تشریح:	11
تفسیر آیت نمبر ۲	11
حمد:	12
رَبُّ:	12
عَالَمِیْنَ:	12
تفسیر آیت نمبر ۴	13
تفسیر آیت نمبر ۵	13
اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ:''	13
تفسیر آیت نمبر ۶:	15
اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ٥	15
تفسیر آیت نمبر ۷	16
صاحبانِ نعمت بندے کون ہیں؟	17
سورۂ فاتحہ کے نتائج و تعلیمات کا خلاصہ	20
تشکیل کردار پر اس کا اثر:	20
جنت کے آٹھ دروازوں پر کیا لکھا ہے؟	23
سُوۡرَۃُ الۡبَقَرَۃِ	25
مع مختصر تفسیر	25
آیت القرآن نمبر ۱ تا ۷	25
ترجمہ	26
تفسیر آیت نمبر ۲	27
تفسیر آیت نمبر ۳	28
آیت القرآن نمبر ۸ تا ۱۰	28
ترجمہ	29
تفسیر آیت نمبر ۷	29
تفسیر آیت نمبر ۸	30
تفسیر آیت نمبر ۹	30
آیت القرآن نمبر ۱۱، ۱۲، ۱۳	31
ترجمہ	31
تفسیر آیت نمبر ۱۰	32
تفسیر آیت نمبر ۱۱	32
آیت القرآن نمبر ۱۴، ۱۵، ۱۶	32
ترجمہ	33
تفسیر آیت نمبر ۱۳	33
تفسیر آیت نمبر ۱۶	34
آیت القرآن نمبر ۱۷، ۱۸، ۱۹	34
ترجمہ	35
تفسیر آیت نمبر ۱۷	35
تفسیر آیت نمبر ۱۸	36
تفسیر آیت نمبر ۱۹	36
آیت القرآن نمبر ۲۰، ۲۱، ۲۲	36
ترجمہ	37

عنوان	صفحہ نمبر
تفسیر آیت نمبر ۲۱	38
آیت القرآن نمبر ۲۳، ۲۴، ۲۵	38
ترجمہ	39
تفسیر آیت نمبر ۲۳	40
آیت القرآن نمبر ۲۶	40
ترجمہ	41
تفسیر آیت نمبر ۲۴	41
تفسیر آیت نمبر ۲۵	42
تفسیر آیت نمبر ۲۶	42
آیت القرآن نمبر ۲۷، ۲۸	42
ترجمہ	43
تفسیر آیت نمبر ۲۷	43
آیت القرآن نمبر ۲۹، ۳۰	44
ترجمہ	44
تفسیر آیت نمبر ۲۹	45
تفسیر آیت نمبر ۳۰	45
آیت القرآن نمبر ۳۱، ۳۲	46
ترجمہ	47
تفسیر آیت نمبر ۳۱	47
تفسیر آیت نمبر ۳۲	48
آیت القرآن نمبر ۳۳	48
ترجمہ	48
تفسیر آیت نمبر ۳۳	49
آیت القرآن نمبر ۳۴، ۳۵	49
ترجمہ	50
تفسیر آیت نمبر ۳۴	50
تفسیر آیت نمبر ۳۵	51
آیت القرآن نمبر ۳۶، ۳۷	52
ترجمہ	52
تفسیر آیت نمبر ۳۷	53
آیت القرآن نمبر ۳۸، ۳۹	53
ترجمہ	54
تفسیر آیت نمبر ۳۸	54
آیت القرآن نمبر ۴۰، ۴۱	55
ترجمہ	55
تفسیر آیت نمبر ۴۰	56
تفسیر آیت نمبر ۴۱	56
آیت القرآن نمبر ۴۲ تا ۴۵	57
تفسیر آیت نمبر ۴۲	58
تفسیر آیت نمبر ۴۳	58
تفسیر آیت نمبر ۴۵	59
آیت القرآن نمبر ۴۶، ۴۷، ۴۸	59
ترجمہ	59
تفسیر آیت نمبر ۴۷	60
تفسیر آیت نمبر ۴۸	60
آیت القرآن نمبر ۴۹، ۵۰	61
تفسیر آیت نمبر ۴۹	62
تفسیر آیت نمبر ۵۰	62
آیت القرآن نمبر ۵۱ تا ۵۴	63
ترجمہ	64
تفسیر آیت نمبر ۵۱	64

عنوان	صفحہ نمبر
تفسیر آیت نمبر ۵۴	65
آیت القرآن نمبر ۵۵،۵۶۔۵۷	65
تفسیر آیت نمبر ۵۵	66
تفسیر آیت نمبر ۵۶	67
تفسیر آیت نمبر ۵۷	67
آیت القرآن نمبر ۵۸ تا ۶۰	67
تفسیر آیت نمبر ۵۸	69
تفسیر آیت نمبر ۵۹	69
آیت القرآن نمبر ۶۱	69
تفسیر آیت نمبر ۶۱	71
آیت القرآن نمبر ۶۲ تا ۶۴	71
ترجمہ	72
تفسیر آیت نمبر ۶۲	72
آیت القرآن نمبر ۶۵،۶۶،۶۷	73
ترجمہ	73
تفسیر آیت نمبر ۶۵	74
تفسیر آیت نمبر ۶۷	75
آیت القرآن نمبر ۶۸ تا ۷۰	75
ترجمہ	75
آیت القرآن نمبر ۷۱ تا ۷۳	76
ترجمہ	77
تفسیر آیت نمبر ۷۱	78
آیت القرآن نمبر ۷۴،۷۵	78
تفسیر آیت نمبر ۷۴	79
آیت القرآن نمبر ۷۶ تا ۷۸	80
تفسیر آیت نمبر ۷۸	81
علماء کی تقلید	81
آیت القرآن نمبر ۷۹،۸۰	82
تفسیر آیت نمبر ۷۹	83
آیت القرآن نمبر ۸۱،۸۲	83
تفسیر آیت نمبر ۸۱	84
آیت القرآن نمبر ۸۳	85
تفسیر آیت نمبر ۸۳	86
رشتہ داروں کے بارے میں فرمایا:	86
آیت القرآن نمبر ۸۴	87
تفسیر آیت نمبر ۸۳	87
''یتمیٰ'' سے مراد:	87
*مساکین سے مراد:	88
آیت القرآن نمبر ۸۵،۸۶	88
تفسیر آیت نمبر ۸۵	90
آیت القرآن نمبر ۸۷،۸۸	90
تفسیر آیت نمبر ۸۷	91
تفسیر آیت نمبر ۸۸	92
آیت القرآن نمبر ۸۹،۹۰	92
تفسیر آیت نمبر ۸۹	93
تفسیر آیت نمبر ۹۰	94
آیت القرآن نمبر ۹۱ تا ۹۳	94
آیت القرآن نمبر ۹۴ تا ۹۶	96
تفسیر آیت نمبر ۹۴	97
تفسیر آیت نمبر ۹۵	97
تفسیر آیت نمبر ۹۶	98

عنوان	صفحہ نمبر
آیت القرآن نمبر ۹۷ تا ۹۹	98
تفسیر آیت نمبر ۹۷	99
تفسیر آیت نمبر ۹۸	100
آیت القرآن نمبر ۱۰۰، ۱۰۱	100
تفسیر آیت نمبر ۱۰۰	101
آیت القرآن نمبر ۱۰۲	101
تفسیر تفسیر آیت نمبر ۱۰۲	103
آیت القرآن نمبر ۱۰۳ تا ۱۰۶	104
تفسیر آیت نمبر ۱۰۶	106
آیت القرآن نمبر ۱۰۷ تا ۱۰۹	106
تفسیر آیت نمبر ۱۰۸	108
تفسیر آیت نمبر ۱۰۹	108
آیت القرآن نمبر ۱۱۰۔۱۱۱	108
تفسیر آیت نمبر ۱۱۰	109
تفسیر آیت نمبر ۱۱۱	110
آیت القرآن نمبر ۱۱۲، ۱۱۳	110
تفسیر آیت نمبر ۱۱۲	111
آیت القرآن نمبر ۱۱۴، ۱۱۵	112
تفسیر آیت نمبر ۱۱۴	113
تفسیر آیت نمبر ۱۱۵	113
آیت القرآن نمبر ۱۱۶ تا ۱۱۸	114
تفسیر آیت نمبر ۱۱۶	115
تفسیر آیت نمبر ۱۱۸	115
آیت القرآن نمبر ۱۱۹ تا ۱۲۱	116
تفسیر آیت نمبر ۱۲۱	117
آیت القرآن نمبر ۱۲۲ تا ۱۲۴	118
تفسیر آیت نمبر ۱۲۴	119
آیت القرآن نمبر ۱۲۵	120
تفسیر آیت نمبر ۱۲۵	121
آیت القرآن نمبر ۱۲۶، ۱۲۷	121
تفسیر آیت نمبر ۱۲۶	122
تفسیر آیت نمبر ۱۲۷	122
آیت القرآن نمبر ۱۲۹، ۱۲۸	123
تفسیر آیت نمبر ۱۲۸	124
تفسیر آیت نمبر ۱۲۹	124
آیت القرآن نمبر ۱۳۰ تا ۱۳۲	124
تفسیر آیت نمبر ۱۳۰	126
آیت القرآن نمبر ۱۳۳، ۱۳۴	126
تفسیر آیت نمبر ۱۳۳	127
تفسیر آیت نمبر ۱۳۴	128
آیت القرآن نمبر ۱۳۵، ۱۳۶	128
تفسیر آیت نمبر ۱۳۵	129
آیت القرآن نمبر ۱۳۷ تا ۱۳۹	130
تفسیر آیت نمبر ۱۳۸	131
تفسیر آیت نمبر ۱۳۹	131
آیت القرآن نمبر ۱۴۰، ۱۴۱	132
تفسیر آیت نمبر ۱۴۰	133
تفسیر آیت نمبر ۱۴۱	133

سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ﴿۱﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۙ﴿۲﴾ مٰلِكِ
یَوْمِ الدِّیْنِ ؕ﴿۳﴾ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ؕ﴿۴﴾ اِھْدِنَا
الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۙ﴿۵﴾ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ
عَلَیْھِمْ ۙ۬ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ﴿۷﴾

ترجمہ

اللہ کے نام کی مدد مانگتے ہوئے شروع کرتا ہوں جو سب کو فیض اور فائدے پہنچانے والا بڑا ہی مہربان ہے۔(۱) ہر ایک تعریف اُس اللہ کے لیے ہے جو تمام کائنات کا پالنے والا مالک ہے۔(۲) سب کو فیض پہنچانے والا، مسلسل بیحد رحم کرنے والا۔(۳) جزا اور سزا کے دن کا مالک ہے۔(۴) ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور بس تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔(۵) بتلا تا رہ ہم کو سیدھا راستہ۔(۶) اُن لوگوں

[ا] کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا۔ نہ اُن کا (راستہ) جن پر (تیرا) غضب ہے اور نہ اُن کا جو بھٹکے ہوئے ہیں۔ (۷)

سورۂ فاتحہ کی تفسیر

فاتحہ کے معنی ایسی چیز جس سے شروع کیا جائے۔ کیونکہ قرآن مجید کا آغاز اسی سورہ سے ہوتا ہے اس لیے اس کو ''فاتحۃ الکتاب'' کہا جاتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ یہ سورہ دو مرتبہ نازل ہوا ہے۔ ایک مرتبہ مکّہ میں اور دوسری مرتبہ مدینہ میں۔ لیکن حقیقتاً یہ مکی سورہ ہے۔ صرف سورۂ ''علق'' کی ابتدائی پانچ آیتیں اس سے پہلے اُتری تھیں۔

اس سورے کے کئی نام ہیں۔ ☆ اُم الکتاب اور اساس۔ ''یعنی قرآن مجید کی بُنیاد''

☆ الشفائ: یعنی: آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ''یہ سورہ موت کے علاوہ ہر مرض کے لیے شفاء ہے۔''

☆ السَّبع: اس سورہ میں کل آیتیں سات ۷ ہیں۔ اور سبع کے معنی بھی سات ۷ ہیں۔

☆ مَثَانِی: یعنی: (۱) یہ سورہ دو ۲ مرتبہ نازل ہوا۔ (۲) یہ سورہ ہر نماز میں دو ۲ مرتبہ پڑھا جاتا ہے۔

☆ اَلحمد'' یعنی، اس سورہ میں اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان ہوتی ہے اس لئے اس کو ''سورہ الحمد'' کہا جاتا ہے۔

☆ الوافیہ: یعنی پورا۔ کیونکہ ہر نماز میں، سنت ہو یا واجب، اس سورے کا پورا پڑھنا لازم ہے۔

☆ کافیہ: یعنی: یہ سورہ سنتی نماز میں تنہا کافی ہوتا ہے اور بعض مواقع پر واجبی نمازوں میں بھی تنہا کافی ہوسکتا ہے۔

☆ سورۃ الکنز: یعنی: اس سورہ میں 'علم و معرفت کے 'خزانے'' پوشیدہ ہیں۔

سورۂ فاتحہ کی فضیلت:

''انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں'' ہے کہ: ''حمد خدا کی یہ زبردست مناجات سلیس اتنی کہ مزید تشریح سے بے نیاز، اس پر معنویت سے لبریز۔'' (جلد ۱۵ ص ۹۰۳۔ اشاعت ۱۱)

[ا] تفسیر: اس سورے کے کئی نام ہیں۔ سورہ فاتحہ، ام الکتاب، سبع مثانی، کافیۃ الوافیہ (یعنی مکمل اساس، جڑ، بنیاد سورہ الکنز (یعنی خزانہ)، شفاء الشافیہ، ام القرآن اور فاتحہ الکتٰب۔ فاتحہ کے معنی (یعنی انبیاء، صدقین (صدیقین یعنی جو قول اور عمل میں سچے ہیں) شہداء اور صالحین (صالحین یعنی نیک بندے)

امیر المومنین ابوالائمہ حضرت علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام نے اس سورہ کی فضیلت میں فرمایا ہے کہ: ''تمام آسمانی کتابوں کا علم قرآن مجید میں ہے اور پورے قرآن مجید کا علم سورۂ فاتحہ میں ہے اور جو کچھ سورہ فاتحہ (سورۂ حمد) میں ہے وہ سب کا سب آیہ بسم اللہ الرحمن الرحیم'' میں ہے۔ اور جو کچھ آیۃ ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' میں ہے وہ ''ب'' (باء) بسم اللہ میں ہے' اور جو کچھ ''ب'' (باء) میں ہے وہ سب ''با'' کے نیچے نقطے میں ہے اور ''میں'' ''ب'' کے نیچے کا نقطہ ہوں''۔ (ینابیع المودہ ص ۵۷، ۵۸) خزینۃ الجواہر ص ۴۳۶)

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۱

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

حضورؐ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' جہنم کی آگ کے لیے ''ڈھال'' ہے'' قرآن مجید میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ''۔علیہا تسعۃ عشرۃ'' (اُس (جہنم) پر اُنیس ۱۹ فرشتے نگراں ہیں) (''سورہ مدثر پارہ ۲۹۔آیت ۳۰'') اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کے حروف بھی اُنیس ۱۹ ہیں۔ اس لیے اس کے پڑھنے سے اس کا ہر ہر حرف جہنم کی آگ سے نجات دلاتا ہے۔

''حضرت علیؑ ہر سورہ سے پہلے اس آیت کو ہر نماز میں بآوازِ بلند تلاوت فرماتے۔''

(تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی)

یہ آیت اتنی ہی مرتبہ اُتری ہے کہ جتنے سورے اُترے ہیں' سوائے سورہ توبہ کے۔ اور آئمہ اہل بیتؑ کے نزدیک یہ آیت ہر سورے کا جزو ہے سوائے سورہ توبہ کے قاریانِ کوفہ اور امام شافعی بھی اسی کے قائل ہیں۔ (غرب العراق نیشاپوری جلد ص ۲۸ نمبر ۱)

فوائد:

ہر کام کی ابتداء اس آیت سے کرنے سے (۱) خدا کی تائید و مدد حاصل ہوجاتی ہے۔ (۲) غرور و نخوت کا سر جھکتا ہے۔ (۳) دلوں کی ہمتیں بلند ہوتی ہیں۔ (۴) خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے۔ (۵) خود اعتمادی اور خدا اعتمادی

دونوں کوملاتی ہے۔(۶)اسی طرح خودی اور بےخودی دونوں کوسمو دیا گیا ہے۔(۷) خدا سے نیاز مندی کا اظہار ہوتا ہے۔(۸)خداوند عالم کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

معنی:

بسم اللہ کے معنی امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے یہ بتائے ہیں کہ ''استعین علی اُمور کلھا باللہ''۔(یعنی میں اپنے تمام معاملات میں خدا سے مددطلب کرتا ہوں)(کتاب التوحید شیخ صدوقؒ)

الفاظ کی تشریح:

''اللہ'' کا لفظ، خدا کا اسمِ ذات ہے جو اس کے تمام صفات کا جامع ہے۔اور رحمن ورحیم خدا کی اہم ترین صفات ہیں ''جو''رحم'' سے مشتق ہے۔اور مبالغہ ہے۔یعنی وصف کی شدّت اور قوت کو بتاتے ہیں۔(مجمع البیان)

''رحمن'' کا اطلاق صرف ذات خدا پر ہوتا ہے اور''رحیم'' کا اطلاق غیر خدا پر بھی ہوسکتا ہے۔''

(امام راغب اصفہانی)

''رحمن'' بتقاضائے رُبوبیت تمام کائنات سے متعلق ہے، جس میں مومن وکافر میں کوئی فرق نہیں، اور ''رحیم'' اُس رحمت کے اظہار کے لیے ہے جو خاص توجہ اور عنایت سے متعلق ہوتی ہے۔اس لیے صرف مومنین سے مخصوص ہے جس کا پورا اظہار آخرت میں ہوگا۔حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:''رحمن'اسم خاص ہے صفتِ عام کے لیے اور''رحیم'' اسم عام ہے صفتِ خاص کے لیے۔''(مجمع البیان)

☆ ''گویا''رحمن'' کے معنی''سب کو فیض پہنچانے والا۔'' اور''رحیم'' کے معنی''خاص کر مومنین پر بے حد مسلسل رحم کرنے والا''۔(ملخص از''فصل الخطاب'')

☆ یہ بات بہت پُرمعنی ہے کہ قرآن میں اسم ذات''اللہ'' کے بعد جو سب سے پہلا اسم صفاتی ارشاد ہوا وہ صفتِ رحمانیت کا مظہر ہے۔لین پول لکھتا ہے۔''جو لوگ یہ بات برابر بھول جاتے ہیں کہ قرآن میں وصفِ رحمت پر کتنا زور دیا گیا ہے۔جبکہ مسیحیت کا افتتاحی فقرہ یہ ہے کہ''شروع باپ بیٹے اور روح القدس کے نام سے''۔یہاں آغاز ہی سے تثلیث کا گورکھ دھندا سامنے آجاتا ہے جس کا سمجھنا سمجھانا عقل کو خیرباد کہے بغیر ممکن ہی نہیں۔''

تفسیر آیت نمبر ۲

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱﴾

حمد:

عربی میں ''مدح'' اور حمد'' میں فرق ہے''۔ ''مدح'' غیر ذی شعور چیزوں کی بھی ہوسکتی ہے۔ جیسے موتیوں کی چمک، سبزہ کی لہک، پانی' کی روانی حسین جوانی، سورج کی درخشانی وغیرہ۔ یہ تعریفیں ''مدح'' ہیں، ''حمد'' نہیں کیونکہ حمد'' صرف ایسی ذات ہی کی ہوسکتی ہے جس کے افعال اختیاری ہوں۔ اور شکر کے معنی تعریف کے نہیں بلکہ اس کے معنی ''احسان'' کا اعتراف، اور ''نعمت کی قدر کرنا ہوتا ہے، خواہ قولی ہو یا فعلی ہو۔ اگر یہ اعتراف تعریف کی شکل میں ہو تو کہا جائے گا ''الحمدللہ شکراً''، یعنی اُس اللہ کی تعریف کرتا ہوں، اُس کے احسانات کا اعتراف [1] کرتے ہوئے۔ یہ کہنا کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔'' اس لیے درست ہے کہ ہر حسن ہر کمال، ہر جمال کا اصل خالق و مالک خدا ہی ہے کسی شاعر کے شعر کی تعریف بھی حقیقتاً خدا ہی کی تعریف ہے، کیونکہ اُس نے ہی شاعر کو یہ صلاحیت عطا فرمائی کہ وہ ایسے حسین شعر کہہ سکا۔ بقول میر انیس: ''ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا۔ جس پھول کو سونگھتا ہوں' بو تیری ہے''۔

رَبُّ:

''رَبّ'' اسم صفت ہے جس کے معنی بتدریج کسی چیز کو اُس کے حال کے مناسب حدِ کمال تک پہنچانا ہے۔ خالق کی صفت خدا کے سبب وجود ہونے کو بتاتی ہے اور رب کا لفظ اُس کے سببِ بقا ہونے کو بتا تا ہے۔ عیسائیوں نے خدا کے لیے، باپ، کا لفظ اختیار کیا، مگر قرآن نے ''رب'' کا لفظ اختیار کیا جو ہر ہر لمحہ اُس کے فیض و کرم کے جاری و ساری رہنے کا پتہ دے رہا ہے۔

عَالَمِیْنَ:

''عالم'' کے معنی میں اللہ کے سوا ہر چیز داخل ہے۔ جدید تحقیقات کی روشنی میں جتنے سورج اور اُن کے نظام ہیں، سب عالَمین میں شامل ہیں۔ اب بہت سی دُنیاؤں (عالمین) کا تصوّر سمجھنا آسان ہوگیا ہے۔

---

[1] نیشاپوری از فصل الخطاب۔ علامہ علی نقی مرحوم (نقن)

☆ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: ’’خدا نے ہزار ہزار عالم پیدا کیے ہیں اور ہزار ہزار آدمؑ بھی‘‘۔

☆ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ نے ایک لاکھ آدمؑ پیدا کیے......اور اٹھارہ ہزار عالم پیدا کیسے اور تمہاری دُنیا اُن میں کا ایک عالم ہے۔‘‘ (محاجزۃ الاوائل ص ۷ ۲۳۔مصر)

☆ ’’یہ ہمارا سورج کروڑ در کروڑ سورجوں میں کا ایک ہے جن میں ہر ایک سورج کا دوسرے سورج سے فاصلہ روشنی کی رفتار سے کئی کئی سال کا ہے۔خود کہکشاں اپنے پورے احاطے کے ساتھ کروڑ در کروڑ عالموں میں ایک ہے جن میں ہر ایک کا طول وعرض ہزار ہزار سال کی مسافت پر ہے‘‘۔ (رسالہ العلم والحیاۃ)

’’رحمن ورحیم‘‘ کی تفسیر گذشتہ صفحات پر تحریر کی جا چکی ہے۔

تفسیر آیت نمبر ۴

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳

’’یوم الدّین:‘‘ ’’دین‘‘ کے یہاں معنیٰ ’’بدلہ‘‘ کے ہیں۔یعنی اعمال کا بدلہ۔اچھے عمل کے بدلے کو جزاء‘‘ اور بُرے عمل کے بدلے کو ’’سزا‘‘ کہتے ہیں۔جزاء اور سزا کا نظام، نظامِ رُبوبیت اور رحمانیت کا تقاضا ہے۔یہ حکمت اور عدالت کا بھی تقاضا ہے۔تاکہ مومنین اور اطاعت کرنے والوں کو خصوصی توجہ عطا ہو سکے۔نیکوں اور بُروں کا فرق معلوم (ظاہر) ہو سکے۔نیکی کا اچھا بدلہ اور بُرائی کا بُرا بدلہ مل سکے۔

دنیا میں بھی خدا ہی مالک ہے مگر یہاں محدود پیمانے پر مخلوق بھی مالکیت کا دعویٰ کر سکتی ہے لیکن قیامت کے دن کوئی دوسرا مالک ہونے کا دعویدار بھی نہ ہوگا، وہاں وہی (خدا) فیصلہ کرنے والا ہوگا۔اس لیے کسی قسم کی کوئی زیادتی کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔

تفسیر آیت نمبر ۵

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ:‘‘

عبادت کے معنیٰ اظہار انکساری وتذلل اور حکم ماننے سے ہیں۔ اگر کسی کی تعظیم اس لیے کی جائے کہ خدا نے حکم دیا ہے تو اُس شخص کی تو وہ تعظیم ہوگی، مگر یہ عبادت خدا قرار پائے گی نہ اُس کی عبادت۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ مدد صرف اللہ ہی سے مانگنی چاہیے کیونکہ وہی حقیقی مددگار ہے۔ لیکن خدا کے بندوں سے یہ سمجھ کر مدد مانگنا کہ یہ خدا ہی کے پیدا کیے ہوئے اسباب ہیں، جائز ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں سے مدد مانگتے ہیں۔ ''من انصاری الی اللہ'' (کون ہے جو اللہ کی راہ میں میری مدد کرے؟) (آلِ عمران)

پھر خود خدا وندعالم مومنوں سے مدد کا طالب ہے: یآیھا الذین اٰمنوا ان تنصروا اللہ ینصر کم (سورہ محمد)

یعنی: ''اے ایمان والو! اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا۔ غور طلب مسئلہ ہے کہ جب خود اللہ مومنوں سے مدد کا طالب ہے جبکہ اُسے قطعاً کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم یہ بھی سبب اور ذریعہ مدد ہے جو ہمارے لیے حجت ہے کہ ہم بھی اللہ کے بندوں سے مدد مانگ سکتے ہیں۔ یعنی جب عام لوگوں یا مومنوں سے اسباب اور سنت خدا سمجھ کر مدد مانگنا جائز ہے تو انبیاء کرامؑ اولیاءؒ اور اوصیاءؑ خدا سے مدد مانگنا تو عین خدا سے مدد مانگنے کے مترادف ہے'' غالب ندیم دوست سے آتی ہے بوئے دوست یا۔ مشغولِ حق ہوں بندگی، بوترابؑ میں''۔

''صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں''۔ کا مطلب یہ ہے کہ ''تجھ سے بے نیاز ہو کر ہم کسی کو اپنا مددگار نہیں سمجھتے۔ یعنی جس سے بھی مدد مانگ رہے ہیں اُس کو صرف اور صرف ظاہری سبب سمجھ کر، جس کو خدا ہی نے ایک سبب قرار دیا ہے۔ جیسے پیاس لگتی ہے تو وہ چشمے اور پانی سے مدد طلب کرتا ہے۔ مگر پس پردہ دل کی گہرائیوں میں ایک حقیقی طاقت کا احساس زندہ رہتا ہے کہ اُس نے چشمے اور پانی کو یہ صلاحیت عطا فرمائی کہ وہ پیاس بُجھانے کا سبب قرار پائے۔

اِسی لیے مسلمان پانی پی کر ''الحمد للہ'' کہتا ہے۔ کہ یہ وسائل تو اللہ کے مقرر کردہ ہیں اور اصل مرکزِ اعانت ذاتِ خدا ہے۔ غرض عالم اسباب میں اسباب کی نفی خدا کے منصوبے کو رد کرنے کے مترادف ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ''جس وقت بندہ یہ آیت نماز میں پڑھتا ہے تو اس وقت خدا اور بندے کے درمیان جس قدر بھی حجابات ہوتے ہیں وہ سب کے سب درمیان سے اُٹھا دیے جاتے ہیں۔''

اسی لیے ''حمد وثنا کے بعد اب وہ مخاطب کے صیغے استعمال کرتا ہے۔ یعنی یہ کہتا ہے کہ: ''ہم صرف تیری ہی بندگی کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔''

نیز ملاحظہ فرمائیں کہ مسلمان خدا کی بارگاہ میں ''میں'' ''نہیں کہتا'' بلکہ'' ہم'' کہتا ہے۔ اس میں تمام عالمِ انسانیت کی نمائندگی بھی ہے۔ اور اپنی انانیت کی نفی بھی۔ اپنی ذات کو قابلِ ذکر تک نہ قرار دے کر انتہائی

عجز وانکساری بھی ہے اور خودغرضی کی نفی بھی ۔ اور عبادت کے ذکر کے فوراً بعد مدد طلب کرنے کے معنی یہ بھی ہیں کہ ہم تیری عبادت میں بھی تیری توفیق، تیری ہی مدد اور دستگیری کے محتاج ہیں ۔مگر پہلے بندگی کا ذکر کرکے پھر مدد طلب کرنا بتاتا ہے کہ پہلے امکانی کوشش بندہ خود کرے پھر خدا سے طالب امداد ہو۔ محققین نے نتیجہ نکالا کہ انسان مجبور محض نہیں ہے۔ اور نہ بالکل مطلق العنان ہیں ۔ یہ جبر واختیار کا درمیانی نقطہ ہے۔ نہ جبر ہے نہ اختیار۔ معاملہ دونوں کے درمیان ہے۔

تفسیر آیت نمبر ۶:

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ٥

عربی زبان میں کسی کھڑے ہوئے انسان کو ''قم'' کہنے کے معنی ''کھڑے رہو'' ہوتے ہیں ۔ اور کھاتے ہوئے آدمیوں سے ''کلوا'' کہنے کے معنی ''کھاتے رہو'' کے ہوتے ہیں ۔ اسی طرح ''اِهْدِنَا'' ہدایت فرما کے معنی ''ہدایت فرما تا رہ'' ۔ امیر المومنین باب مدینۃ العلم حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ: ہدایت فرما کے معنی ''ہمیں سیدھے راستے پر قائم رکھ'' ۔

حضرت امام علی الرضا علیہ السلام نے فرمایا: ''اس میں تین باتوں کے لیے دعا کرنے کی تعلیم دی گئی ہے ۔ (۱) خدا کے دین کی طرف ہدایت کرنے کی ۔ (۲) خدا تک پہنچنے کا ذریعہ عطا کرنے کی ۔ (۳) خدا کی ذات اور اُس کی کبریائی کی عظمت کی معرفت میں ترقی دینے کی ۔ (تفسیر برہان جلد نمبر ۱ ص ۳۲)

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا: ''اِهدِنا'' کے معنی ''اپنی اُس توفیق کو آئندہ بھی میرے ساتھ باقی رکھنا جس کے سبب سے میں نے آج تک تیری فرمانبرداری کی ۔'' یہی وہ توفیق ہے جس کے سبب سے بندہ ہر چیز اور ہر کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے ۔ یاد رہے کہ اب بھی راستے پر چلنا خود اُس کا ہی ذاتی عمل ہوتا ہے ۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''الصراط المستقیم'' سے مراد (۱) ''وہ راستہ جو خدا کی محبت تک لے جانے والا ہے (۲) خدا کی جنت تک پہنچانے والا ہے ۔ اور (۳) جو ہم کو ہر اُس بات سے روکنے والا ہے کہ جس کے سبب سے ہم اپنی بری نفسانی خواہشوں کی پیروی کرکے رحمتوں اور مشقتوں میں گرفتار ہو جائیں، اور اپنی اپنی رائے پر چل کر ہلاک ہو جائیں ۔ (۴) یہ وہ راستہ ہے جو معرفتِ خداوندی تک پہنچانے والا ہے ۔ (۵) اس راستے سے مراد وہ امام ہے جس کی اطاعت اللہ کی طرف سے فرض ہے ۔ یعنی امام کی معرفت کا راستہ''

(٦) حضرت علی بن ابیطالب علیہ السلام نے فرمایا: سیدھے راستے سے مراد وہ راستہ جو غُلو کی حد سے پیچھے ہو اور کمی کے راستے سے بلند ہو۔''

(٧) حضرت ابوجعفر امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ ''الصراط المستقیم'' سے مراد ''حضرت علیؑ اور اُن کی معرفت ہے۔'' (تفسیر علی ابن ابراہیم)

حقیقتاً یہ سب کے سب معنی ایک ہی معنی کی مختلف تعبیریں ہیں اور سب کی حقیقت ایک ہی ہے۔ (غرائب القرآن)

(٨) کیونکہ کمال کی انتہا نہیں ہوتی اس لیے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اللہ تعالیٰ کی فرمائش پر یہ دعا مانگی۔ ''رب زدنی علماً'' یعنی: ''میرے پالنے والے میرا علم بڑھا دے۔'' اس لیے کہ ہر بلند تر مقام منزل صراط مستقیم ہی کا ایک درجہ ہے۔ لہٰذا یہ دعا بھی مسلسل ہوگی کہ بلند سے بلند تر منزل کی ہدایت فرماتا رہ۔ تاکہ عبدیت کی اعلیٰ سے اعلیٰ منزل تک یہ سفرِ تکامل جاری و ساری رہے۔

تفسیر آیت نمبر ٧

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝٧

''اُن لوگوں[1] کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا: نہ اُن کا (راستہ) جن پر (تیرا) غضب ہے اور نہ اُن کا جو بھٹکے ہوئے ہیں۔

* خلاصہ یہ ہے کہ صراطِ مستقیم یعنی سیدھا راستہ'' سے مراد صاحبانِ نعمت تک رسائی، اُن سے محبت، اُن کی معرفت، قلبی اور عملی وابستگی اور اُن کے طریقہ زندگی کو اختیار کرنا ہے۔

محققین نے یہ نتیجہ نکالا کہ: ہدایت کے لیے قرآن کافی نہیں، صاحبانِ نعمت کا دامن پکڑنا (عملی وابستگی) ہی ہدایت ہے۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

[1] (یعنی انبیا صدقین یعنی جو قول و عمل میں سچے ہیں) شہدا اور صالحین (صالحین یعنی نیک بندے)

''میں تم میں دو ۲ گراں قدر چیزیں چھوڑے جارہاہوں (۱) قرآن جو اللہ کی کتاب ہے۔(۲) میری عترت (اولاد)اہل بیت۔جب تک تم ان دونوں سے تمسک اختیار کیے رہو گے تو میرے بعد ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور یہ دونوں کبھی ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوضِ کوثر پر پلٹ آئیں۔'' (صحیح مسلم شریف)

غرض ''نعمت'' سے مراد جاہ و مالِ دنیا یا زر، زمین، زن نہیں، نعمت سے مراد وہ ہدایت اور توفیق ہے جو خدا کے اطاعت گزاروں کے شاملِ حال رہی ہے۔(معانی الاخبار حدیث از علی ابن ابیطالبؑ)

یہی صاحبانِ نعمت بندے، خدا اور بندے کے درمیان واسطہ ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو سورۂ حمد میں عبد و معبود کے درمیان خدا ان بندوں کا ذکر نہ فرماتا۔اسی لیے مرشد تھانوی نے لکھا۔''صراط مستقیم میسر نہیں ہوتا بغیر اس کے کہ پیروی اہل صراط مستقیم کی کی جائے اور اس کے لیے محض اوراقِ کتب کافی نہیں۔'' (تفسیر ماجدی)

صاحبانِ نعمت بندے کون ہیں؟

خداوندِ عالم ایسے بندوں کی نشاندہی قرآن مجید میں اس طرح فرماتا ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾

''اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کریں تو یہ اُن کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام و احسان کیا ہے 1 انبیا 2 صدیقین 3 شہدا۔ 4 صالحین۔''

پھر ہدایت صرف صاحبان نعمت تک رسائی ہی کا نام نہیں، ثباتی پہلو کے ساتھ ساتھ سلبی پہلو بھی ضروری ہے۔یعنی اُن اشخاص اور جماعتوں سے بیزاری اور قطع تعلق بھی ضروری ہے جو صراطِ مستقیم سے دوری کا باعث ہیں۔ انہی صاحبانِ نعمت سے تعلق جوڑے رہنے کو دین کی اصطلاح میں ''تولا'' اور اللہ کے مغضوب اور گمراہ لوگوں سے قطع تعلق کو ''ابتر'' کہتے ہیں۔حضرت ابوعبداللہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''مغضوب علیھم ''یعنی جن پر

خدا کا غضب ہوا۔'' سے مراد اہل بیت رسولؐ سے دشمنی کا اظہار کرنے والے ہیں۔اور ضآلین' یعنی۔گمراہوں سے مراد وہ شکوک واوہام میں مبتلا لوگ ہیں جو معرفتِ امام نہیں رکھتے۔(تفسیر علی ابن ابراہیم)

*بعض روایات میں ''مغصوب علیم'' سے مراد، یہودی اور ''ضآلّین'' گمراہوں سے مراد،نصرانی بھی ہیں۔غرض صاحبانِ نعمت چار ۴ قسم کے لوگ ہیں۔(۱) ''نبیّین'' جو خدا کے پیغام لانے والے اور اُس کا پیغام پہنچانے والے ہیں۔ خدا اپنے علم کی بنا پر اُن کا اِنتخاب فرماتا ہے۔(۲) ''صدیقین'' جو قول وعمل کے سچے اور کھرے ہیں۔ ہمیشہ ہر بات سچ اور ہر کام سچائی وخلوصِ دل سے انجام دیتے ہیں۔اُن کے سید وسردار حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں، جنہوں نے کبھی غیر اللہ کے سامنے سر نہ جھکایا اور قول وعمل کے ایسے سچے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کل میں اُس کو علم دوں گا جو مرد ہوگا۔جو خدا اور اُس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہوگا اور خدا اور اُس کا رسولؐ اُس کو دوست رکھتے ہوں۔''(صحیح بخاری شریف)۔اور حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:

علّی کا ذکر کرنا بھی عبادت ہے۔''(صواعق محرقہ) یہ حدیث غیر مشروط ہے۔یعنی علیؑ کا کوئی عمل ایسا نہیں جو خدا کی مرضی کے خلاف ہو۔اگر ایک قول یا عمل بھی خدا کی مرضی کے خلاف ہوتا تو مطلقاً علیؑ کا ذکر عبادت نہ قرار پاسکتا تھا۔اسی لیے تو امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:''اَنَا صِدِّیق الا کبر'' یعنی''میں صدیق اکبر ہوں''

عالم اسلام آج بھی صرف حضرت علی علیہ السلام کو کرم اللہ وجھہ کہتا ہے۔یعنی اللہ نے اُن کے چہرے کو غیر اللہ کے سامنے جھکنے سے محفوظ اور مکرم رکھا۔اعلیٰ ترین معنی میں تو صدیق کے مصداق حضرت علیؑ اور ائمہ معصومین ہیں۔ لیکن ہر وہ شخص جو قول وفعل میں جتنا سچا ہوگا اتنا ہی صدیق ہوگا۔کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''بندہ سچ بولتا رہتا ہے، سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ خدا اُس کو صدیقین میں لکھ دیتا ہے'' خاص کر کاروباری معاملات میں سچ بولنے والا یقیناً صدیق ہے۔کیونکہ وہ نقصان اُٹھا کر سچ بولتا ہے۔(۳) تیسرا گروہ ''شہدا'' کا ہے۔جو خدا کی راہ میں جان دیکر اپنے خون سے اپنی گواہی کو ثابت کرتے ہیں۔اس گروہ میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو مالی، جسمانی اور دماغی قربانیاں حق کے لیے دیتے ہیں اور (۴) ''صالحین'' سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے نیک اعمال اُن کے برے اعمال پر غالب ہوں جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد رب العزت ہے:''جس کے نیک عمل (بُرے اعمال پر) بھاری ہوں گے وہ اُس زندگی میں ہوگا جس سے وہ خوش ہوگا۔''(قرآن)

شہدا کے سید وسردار حضرت حمزہ امام حسن وامام حسینؑ ہیں کیونکہ اُن کی شہادت گویا رسولؐ کی شہادت ہے اور اُن کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''جنت کے جوانوں کے سردار'' فرمایا ہے۔اُن کی بیش بہا قربانیاں عالمین میں آشکار ہیں۔ خدا نے قربانی کا معیار یہ پیش فرمایا ہے:''لن تنالو البر حتی تنفقوا مما تحبونَ'' آل عمران آیت ۹۲)

یعنی تم ہرگز ہرگز نیکی تک نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ تم اُس شے میں سے (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کردو جو تمہیں محبوب ہے حضرت امام حسین علیہ السلام نے ''اُس میں سے کچھ ''نہیں بلکہ'' سب کچھ'' اللہ کی راہ میں قربان کردیا۔گویا قرآنی معیار سے بھی اُن کی قربانی بلندتر ثابت ہوئی۔بقول شاعر

اہل بیت پاک کے ہر سانس کو اے مدّعی
ہاں ملا کر دیکھ لے آیاتِ قرآنی کے ساتھ

اورتمام اُمت کے صالحین کے سید وسردار اہل بیتؑ رسولؐ کے امام ہیں، کیونکہ وہ معصوم ہیں اور منصوص من اللہ ہیں وہ ہرگناہ سے پاک ہیں اُن کی نیکیاں ضرب المثل ہیں۔''صاحبِ تحفہ اثنا عشریہ'' تک نے لکھا ہے۔''اگر امام کے معنی سب سے آگے ہونے کے ہیں تو اس معنی میں ''آل محمدؐ'' ہی ساری اُمت کے امام ہیں اس لیے کہ ہر نیکی میں وہ ساری اُمت سے آگے بڑھے ہوئے ہیں۔''

سورۂ فاتحہ کے نتائج و تعلیمات کا خلاصہ

حضرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری کا سبب انسان کی تین خصلتیں ہیں۔1 شہوت، اس کی وجہ سے بخل اور حرص پیدا ہوتے ہیں۔2 غضب: اس سے تکبر اور خود پسندی پیدا ہوتی ہیں۔3 ہوائے نفس:۔اس سے کفر و بدعت وجود میں آتی ہیں۔جب انسان سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت یعنی: بسم اللہ الرحمن الرحیم'' کی تلاوت کرتا ہے تو یہ تینوں بد خصلتیں ختم ہوجاتی ہیں۔پس بسم اللہ الرحمن الرحیم کے تینوں اسمائے طاہرہ ہر سہ صفاتِ بد، یعنی شہوت، غضب اور ہوائے نفس کے دور کرنے کے کفیل ہیں اور یہی روحانی امراض کی جڑیں ہیں اور تمام بُرے افعال انہی کی شاخیں اور نتیجہ ہیں۔(ملخص از تفسیر انوار نجف جلد ۲ ص ۴۴۔۴۵)

تشکیل کردار پر اس کا اثر:

(۱) جو شخص خدائے رحمن و رحیم کے نام سے کسی کام کو شروع کرتا ہے وہ عملاً اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ ''میرا ضمیر پاک ہے، میری نیت صاف خالص ہے۔میرا مقصد اعلیٰ ہے میں ایک خدا کا سچا پرستار ہوں اور الحاد و شرک سے بیزار ہوں۔

(۲) بسم اللہ اور الحمد للہ پڑھنے والا ہر طاقت اور ہر سہارے سے قطع نظر کر کے صرف اور صرف خدائے یکتا پر توکل کرتا ہے اور جو کچھ اُسے عطا ہوتی ہے اُس پر راضی ہو کر شکر ادا کرتا ہے تو شہوت کافور ہوجاتی ہے۔

(۳) رب العالمین (عالمین کا پالنے والا) مالک کہہ کر خدا کو یاد کرنے والا ساری مخلوق کو اللہ کے حوالے سے دیکھتا ہے۔اُس کی نگاہ میں ساری مخلوق اللہ کی عیال بن جاتی ہے۔اس لیے وہ خدا دوستی کے ساتھ ساتھ انسان دوستی کا مظہر بن جاتا ہے۔پھر ایسا انسان، لوگوں کی گروہ بندی، تعصب، ظلم اور انسان دشمنی سے سخت بیزار ہوتا ہے۔وہ اِن اختلافات کو صرف اور صرف انسان کو پہچان کا ایک ذریعہ سمجھتا ہے یا اِن کو خدا کی قدرت اور حکمت کی ایک نشانی سمجھتا ہے۔پھر وہ اپنی ضروریات سے زیادہ کا حرص نہ کریگا۔اور جمع شدہ پر بخل نہ کریگا۔

(۴) الرحمن الرحیم : خدا کی سب سے اہم اور غالب صفت ''رحمانیت'' اور ''رحیمیت'' ہے۔اس لیے انسان کی بھی سب سے غالب صفت رحم و کرم اور دوسروں پر مہربانی ہونی چاہیے۔کیونکہ دوسروں کو فائدہ پہنچانے سے بڑی کوئی عبادت نہیں۔جب انسان میں جذبہ خدمت پیدا ہوجائے گا تو صفتِ ''غضب'' دور ہوجائے گی۔

(۵) مٰلك یوم الدین: (بدلے کے دن کا مالک) کہنے سے اِنسان میں خدا کے قانونِ مکافات کا تصور

اُجاگر ہوتا ہے جس سے اُس میں احساسِ ذمّے داری پیدا ہوتا ہے۔ پھر وہ زندگی کا ہر قدم پھونک پھونک کر رکھتا ہے۔ کسی پر ظلم یا زیادتی کرنے کا تصورّ بھی نہیں کرسکتا اور اسطرح اُس کی زندگی بامعنی بن جاتی ہے اُس کا تصورِ حیات نہایت وسیع ہوجاتا ہے۔

(۶) اِیَّاکَ نعبد: (میں فقط تیری غلامی کرتا ہوں) پڑھنے سے تکبر کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ کیونکہ خدا کی عبدیت کا اعتراف انسان کی خودی کی بھی نفی کرنا ہے۔ اور اثبات بھی۔ نفی اس لیے کہ اب وہ خودکو مستقل وجود جو ہر چیز سے بے نیاز ہو نہیں سمجھتا اور اثبات اس لیے کہ خدا کا بندہ وفرمانبردار ہوکر وہ ہر کسی کی غلامی سے آزاد ہوجاتا ہے پھر اُس میں بلا کی خوداعتمادی خدااعتمادی اور، قوتِ ایمانی پیدا ہوجاتی ہے ''وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے۔:۔ ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات''

(۷) وَاِیَّاکَ نستَعِین: (میں فقط تجھے ہی مدد طلب کرتا ہوں) اس کو پڑھنے سے خود پسندی ختم ہوجاتی ہے۔ اور خدا کی مدد طلب کرنے سے انسان میں یہ اعتماد پیدا ہوجاتا ہے کہ کائنات کی سب سے بڑی طاقت اُس کی پشت پناہ ہے۔ پھر اُس میں اکیلے پن اور بے یارومددگار ہونے کا احساس ہی باقی نہیں رہتا۔ وہ لاکھوں تنہائیوں میں بھی خود کو تنہا محسوس نہیں کرتا، یہاں تک کہ موت بھی اُس کے لیے آسان ہوجاتی ہے۔ اس لیے کہ موت کے وقت بھی وہ خدا کی مدد کے سائے میں ہوتا ہے اور بےخوف ہوتا ہے۔ بقول اقبال۔

نشانی مردِ مومن باتو گویم
چوں مرگ آید تبسم برلبِ اوست
مرگِ مومن چیست، ہجرت سوئے دوست
ترکِ دنیا اختیارِ کوئے دوست

(۸) اِھْدِنَاالصِراطَ المسُتَقِیم'': ((میں سیدھا راستہ دکھا تارہ) خدا سے سیدھے راستے پر قائم رہنے کی مسلسل ہدایت وقیام کی دعا کرتے رہنے کی وجہ سے مومن طلبِ حق یعنی خدا کی ہدایتوں کی تلاش میں رہنا ہے اور ہر ہدایت پر عمل کرکے خدا سے اپنے تعلق کو مضبوط سے مضبوط تر کرتا چلا جاتا ہے اور اسی کو سب سے بڑی نعمت سمجھتا ہے اور اس طرح سیرِ تکامل کی انتہا تک پہنچ جاتا ہے۔ اور ہوائے نفس'' (بری خواہشات) کا خاتمہ ہوجاتا ہے اپنے دل پسند راستے پر چلنے سے گریز کرکے اللہ سے صراطِ مستقیم پر قائم رہنے اور عُلوِ مرتبہ کی دعا کرتا ہے۔

(۹) صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمتَ عَلَیھِم'': (ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا) کے پڑھنے سے کفر رفع ہوجاتا ہے''۔ سیدھے راستے کی دعا مانگنے کے بعد وہ یہ جان لیتا ہے کہ خدا کی سب سے بڑی نعمت اُس

کی ہدایتیں ہیں، اُس کے انبیا اولیا اور اوصیاؑ کی رفاقت ہے۔ اُس طرح اُس کا محبوب یا آئیڈیل پھر نہ تو کوئی آمر، جابر، سرمایہ دار، وزیر، سردار، کھلاڑی، ایکٹر ہوتا ہے بلکہ اُس کے لیے نمونہ عمل انبیا، صدیقین، شہداُ اور صالحین اور ان کی سیرت بن جاتی ہے، کیونکہ یہی صاحبانِ نعمت ہیں، انہی کی رفاقت کی طلب اُس کی زندگی کا اصل ہدف اور ماحصلِ حیات بن جاتا ہے جو اُن کی محبت اور عملی پیروی سے حاصل ہوسکتی ہے۔

اس طرح اُس کے عمل کی اصلاح کا بہترین سامان فراہم ہوجاتا ہے اور حیات ابدی کے لیے راہ عمل بھی متعین ہوجاتی ہے پھر اُس کی قدریں مادّی نہیں، بلکہ ابدی حقیقتیں اُس کے پیمانے اور قدریں بن جاتی ہیں۔

پھر کیونکہ وہ اس ہدایت کو خدا کی دین وعطا سمجھتا ہے۔ اسی لیے تو وہ خدا سے دعا مانگتا رہتا ہے، قیام، بقا اور ثابت قدمی کی، تاکہ اس میں نیکیاں بجالانے کے بعد غرور زہد نہ پیدا ہوسکے، ہرنیکی کے بعد اس کے اندر احساسِ شکر بڑھ جاتا ہے کہ خدا نے مجھ پر اور زیادہ احسان فرمایا کہ اپنی توفیقات سے نوازا اور اس طرح میں کارِ خیر انجام دے سکا یا بُرائی سے بچ سکا، غرورِ زہد تمام نیکیوں کو برباد کردینے والی زہریلی چیز ہے جس کی سب سے بڑی اور واضح مثال ابلیس (شیطان) ہے، اور دوسری مثال ہر وہ زاہد ہے جو اپنی نیکیوں پر مغرور ہو۔ بقولِ اقبال:

غرورِ زُہد نے سمجھا دیا ہے مُلا کو
کہ مردِ سادہ پہ اپنی زباں دراز کرے

(۱۰) غیر المغضوب علیھم ولا الضآلِّیْنَ: (ان لوگوں کا راستہ نہیں جو تیرے غیض وغضب کا شکار ہوئے اور نہ ان کا جو گمراہ یا بھٹکے ہوئے ہیں۔) کے پڑھنے سے بدعات کا طریقہ ختم ہوجاتا ہے۔ (ملخص از تفسیر صدرا) اس میں خدا کے مغضوب اور اس کی راہ سے منحرف گمراہوں سے اجتناب اور قطع تعلق کی دعا اُس کی برائی سے بچانے کی ضمانت بن جاتی ہے۔ ہر ظالم وجابر سے نفرت اور ہر اچھے انسان کی محبت میں سرشار ہوجاتا ہے۔ وہ جابروں گمراہوں، بدکاروں اور ظالم بہ کارامیروں سے قطع تعلق کرنے کی جرات پیدا کرکے اُن کے خلاف اعلانِ جہاد کرسکتا ہے اور انبیا صدیقین، شہدا اور صالحین کے مقصد کو آگے بڑھانے کے لیے اپنی جان کا نذرانہ بھی پیش کرسکتا ہے۔ وہ ظلم وجبر کے خلاف ازسرتاپا احتجاج بن جاتا ہے اور آخرکار جہاد اور شہادت اس کا مقدر بن جاتی ہے۔

شہادت ہے مطلوب ومقصود مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی

(اقبال)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سب سے افضل جہاد ظالم وجابر کے سامنے کلمہ حق ادا کرنا ہے"۔ یہ جرات یہ کردار اسی برات اور ظالمین، مغضوبین اور ضالین سے نفرت اور تبرا کرنے ہی سے پیدا ہو سکتی ہے جو سورۂ حمد کی معراج ہے۔

جنت کے آٹھ دروازوں پر کیا لکھا ہے؟

بحارالانوار جلد ۳ ص ۲۹۴ پر عبداللہ ابن مسعود سے مروی ہے:

آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے شب معراج جنت کی سیر کرائی گئی تو میں نے دیکھا کہ جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور ہر دروازے پر کلمہ کے بعد چار باتیں تحریر ہیں کہ اُن کے ہر ایک جاننے والے اور اُن پر عمل کرنے والے کے لیے دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔

* پہلے دروازے پر لکھا ہے: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علیٌّ وَّلِیُّ اللہِ۔ ہر شے کے لیے حیلہ ہوتا ہے اور آرام کی زندگی کے چار ۴ حیلے ہیں: (۱) قناعت (۲) بجا خرچ (۳) کینے کا ترک کرنا (۴) نیکوں کی صحبت۔

* دوسرے دروازے پر تحریر ہے: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہِ: آخرت کی خوشی کے چار حیلے ہیں (۱) یتیموں کے سر پر ہاتھ پھیرنا (۲) بیواؤں پر رحم کرنا (۳) مومنین کی حاجات میں سعی کرنا (۴) فقراءٔ و مساکین کی خبر گیری

* تیسرے دروازے پر مرقوم ہے: "لا الہ اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہِ:" ہر شے کے لیے حیلہ ہوتا ہے۔ اور دنیاوی تندرستی کے چار حیلے ہیں (۱) کم بولنا (۲) کم سونا (۳) کم چلنا (۴) کم کھانا

* چوتھے دروازے پر لکھا ہے: "لا الہ اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہِ:" جو شخص اللہ اور یوم قیامت پر یقین رکھتا ہے اُس کو چاہیے کہ: مہمان کی عزت کرے۔ ہمسائے کا خیال رکھے۔ والدین کا احترام کرے۔ نیکی کی بات کہے ورنہ چُپ رہے۔

* پانچویں دروازے پر مکتوب ہے: "لا الہ اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہِ:"

1 جو شخص یہ چاہے کہ کوئی اُس پر ظلم نہ کرے، وہ دوسروں پر ظلم سے اجتناب کرے۔

2 جو خود کو گالی دیا جانا پسند نہ کرے، وہ خود بھی کسی کو گالی نہ دے۔

3 جو اپنی ذلت نہ چاہیے، وہ کسی دوسرے کو بھی ذلیل نہ کرے۔

4 جو دنیا و آخرت میں (خدا اور سول سے) مضبوط تعلق سے وابستہ ہونا چاہیے۔ وہ اس کلمہ کو پڑھے: "لا الہ اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہِ"۔

* چھٹے دروازے پر منقوش ہے: "لا الہ اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہِ"

1 جو قبر میں کشادگی کا متمنی ہو، وہ مساجد کی بنا کرے۔

2 جو قبر میں اپنے جسم کی بوسیدگی نہ چاہیے۔ پس وہ (عبادتِ خدا کے لیے) مساجد میں سکونت کرے۔

3 جو چاہے کہ قبر میں اُسے کیڑے مکوڑے نہ کھائیں، تو وہ (یادِ خدا کے لیے) مساجد میں بسر کرے۔

4 جو جنت میں اپنا گھر دیکھنا چاہے پس وہ (ذِکرِ خدا کے لیے) مساجد میں رہے۔

* ساتویں دروازے پر درج ہے: "لا الہ اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہِ"

دل کی نورانیت چار باتوں میں ہے:

1 بیمار کی مزاج پرسی 2 مشایعتِ جنازہ 3 کفن کو خرید کر رکھنا 4 قرض کا ادا کرنا۔

* آٹھویں دروازے پر ثبت ہے۔ "لا الہ اللہ محمد رسول اللہ علی ولی اللہِ"

جو شخص جنت کے ان دروازوں سے گذرنے کا خواہشمند ہو اُس کو چاہیے کہ وہ اپنے اندر یہ چار خصلتیں پیدا کرے۔

1 سخاوت۔ 2 خوش خُلقی۔ 3 صدقہ۔ 4 اللہ کے بندوں کی ایذا رسانی سے پرہیز (تفسیر انوار النجف جلد ۲ ص ۳۲۔ ۴۳)

سورہَ فاتحہ کے بارے میں مختصر اُہدیہ مومنین کیا جا سکا ہے۔ خداوندِ عالم قبول فرمائے اور ہم سب کو ہدایات پر مسلسل گامزن رہنے کی مزید توفیق عطا فرمائے۔

سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ

مع مختصر تفسیر

سورہ بقرہ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ملا کر ۲۸۷ آیتیں ہیں جو سب مدَنی ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''جو شخص سورۂ بقرہ کی ابتدائی چار آیتیں اور آیۃ الکرسی ''خالدون'' تک آخری تین آیتوں کی تلاوت کرے گا تو وہ (انشاءَ اللہ) اپنے جان و مال اور عیال کو محفوظ سمجھے، شیطان کے وساوس سے بھی محفوظ رہے گا اور قرآن مجید کو نہ بھولے گا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''سورۂ بقرہ اور سورۂ آلِ عمران بروزِ محشر اپنے قاری پر سایہ فگن ہوں گی۔

حضرت امام باقر علیہ السلام نے فرمایا: ''جو شخص ہر نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھتا ہے تو اُس کے جنت میں داخل ہونے میں صرف اُس کی موت حائل ہوتی ہے''۔

آیت القرآن نمبر ۱ تا ۷

الٓمّٓ ۚ ﴿١﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى
لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ ﴿٢﴾ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ
الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ ﴿٣﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝٤ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۙ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝٥ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝٦ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۡ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝٧

ترجمہ

* اللہ کے نام کی مدد مانگتے ہوئے شروع کرتا ہوں جو سب کو فیض اور فائدے پہنچانے والا بڑا ہی مہربان ہے۔(۱) الف۔لام۔میم۔[۱] (۲) یہ (اللہ کی) خاص کتاب، اس میں کوئی شک وشُبہ نہیں، یہ ہدایت ہےاُن برائیوں سے بچنے والوں اور فرائض الٰہیہؔ کے

---

[۱] تفسیر: ایسے حروف کوحروفِ مقطعات کہتے ہیں۔ یہ بہت سے سوروں کے شروع میں آتے ہیں۔حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا کہ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ ''یہ حروف اللہ کے اسم اعظم کے حروف ہیں جو ہر اسم اعظم سے ایک ایک کر کے جُدا کر لیے گئے ہیں ان میں سے حرف کو ایکدوسرے سے خاص ترکیب سے ملانے کا حق صرف نبیؐ یا امام معصوم کو ہوتا ہےاور جب وہ ان حروف کو ملا کر اُن کے ذریعے سے دُعا کرتا ہےتو وہ دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔(تفسیر بُرہان جلد ص ۳۳)

* اگر ان حروف میں سے مکرّر حروف کو گرا کر جوڑا جائے تو یہ فقرہ بنے گا۔ صراط عليٍ حق تمسكه ''یعنی علیؑ کی راہ حق ہے ہم اس کو اختیار کرتے ہیں۔'' دوسرے یہ کہ ان حرف کی تعداد بھی چودہ ۱۴ ہے (ملّا محسن کی تفسیر صافی ص ۲۱۰) غرض یہ حروف خدا کے اسرار ہیں جن کی حقیقت خدا اس کا رسولؐ اور وہ لوگ جانتے ہیں جن کو خدا نے اپنے علم خاص نوازا ہے۔'' تفسیر علی ابن ابراہیم '' میں بھی یہی ہے۔

ادا کرنے والوں کے لیے جو ابدی تباہوں گے۔ بچنا چاہتے ہیں (۳) جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے اُن کو دیا ہے اُس میں سے خیرات کرتے ہیں۔ (۴) اور جو ایمان رکھتے ہیں اُس پر جو آپؐ پر نازل کیا گیا ہے اور جو کچھ آپؐ سے پہلے نازل کیا گیا تھا اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ (۵) یہی لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی ہدایت پر قائم ہیں اور یہی وہ ہیں جو ہر حیثیت سے کامیابی اور بہتری پانے والے ہیں۔

(۶) بلاشُبہ جن لوگوں نے کُفر اِختیار کیا (یعنی۔ ابدی حقیقتوں کو ماننے سے اِنکار کردیا) اُن کے لیے برابر ہے، خواہ آپؐ اُنہیں انجامِ کار سے ڈرائیے یا نہ ڈرائیے، بہر حال وہ تو ماننے والے نہیں۔

(۷) اللہ نے اُن کے دلوں پر اور اُن کے کانوں پر مہر لگادی ہے۔ اور اُن کی آنکھوں پر پردہ پڑ گیا ہے۔ اور اُن کے لیے بہت ہی سخت سزا ہے۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۲

هُدًى لِّلۡمُتَّقِيۡنَ:

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: متقی علی کے شیعہ ہیں۔ اور وہ لوگ متقی ہیں جو حضرت قائم آلِ محمدؐ کی آمد پر ایمان لائیں اور اس کو حق سمجھیں۔ اور بعض نسخوں میں ہے کہ جو قیامِ حضرت قائم علیہ السلام کا اقرار کریں۔
جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے کہ جناب رسولؐ نے ارشاد فرمایا: (اس حدیث میں بارہ اماموں کا بھی ذکر فرمایا ہے اور

حضرت قائمؑ کا بھی اس میں نام لیا ہے) کہ طوبیٰ ہے اُن لوگوں کے لیے جو اُن کی غیبت میں صبر کریں اور طوبیٰ ہے ان متقین کے لئے جو اُن کی محبت پر ثابت قدم رہیں۔ خداوندِ عالم نے اپنی کتاب میں اُنہیں کا ذکر فرمایا ہے کہ الذین یومنونَ بالغیب پھر ارشاد فرمایا: وہی اللہ کی فوج ہیں اور تحقیق اللہ کو فوج ہی غلبہ حاصل کرنے والی ہے۔ (تفسیر انوارُ النجف جلد ۲ ص ۵۲)

دوسری نشانی متقین کی یہ ہے کہ وَیقیمون الصَّلٰوۃ: جو نماز کو ہمیشہ بروقت اور پوری حدود کے ساتھ خشوع وخضوع سے ادا کرتے ہیں۔ کیونکہ اقامت الصّلوٰۃ کے تین معانی ہیں۔ ۱۔ ہمیشہ ادا کرنا۔ ۲ جو نماز کو ہمیشہ بروقت ادا کرنا۔ ۳ بروقت ادا کرنا (انوار النجف ص ۵۲)

تفسیر آیت نمبر ۳

''غَیْب'' یعنی وہ چیزیں جو آنکھوں سے پوشیدہ وچھپی ہوں جیسے: وجودِ خدا، جنت، جہنم، قیامت کا دن، حساب وکتاب اور امام مہدیؑ جو ہمارے زمانے کے امامؑ ہیں اور غائب ہیں۔ ابوبصیر سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا: ''خدا کا بیان ہماری غیبت (غائب امام) پر ایمان رکھنے والوں کے لیے ہے کیونکہ غیب سے مراد'' وہ حجت خدا بھی ہے جو غائب ہے'' (تفسیر انوار القرآن ص ۳۴)

آیت القرآن نمبر ۸ تا ۱۰

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۸ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۹ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۱۰

ترجمہ

(۸) اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لا چکے ہیں، حالانکہ وہ مومن ہی نہیں ہیں۔

(۹) وہ اللہ اور ایمان والوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں مگر حقیقت میں وہ خود اپنے سوا کسی کو دھوکہ نہیں دیتے مگر اُنہیں اس کا احساس یا سمجھ نہیں۔

(۱۰) اُن کے دلوں میں ایک خاص طرح کی بیماری ہے، جسے اللہ نے اور زیادہ بڑھا دیا۔ اور جو جھوٹ وہ بولتے ہیں اُس کی وجہ سے اُن کے لیے دردناک سزا ہے۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۷

خَتَمَ: نشانی یا مہر یا ٹھپہ، کی تفسیر میں حضرت امام رضاؑ نے فرمایا: خَتَمَ یعنی نشانی سے مراد وہ نشانی ہے جو خدا نے منکرینِ حق کے دلوں پر لگادی ہے، اُن کو سزا دینے کے لیے چھاپے کے طور پر۔ جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے۔ ''بلکہ اللہ نے اُن کے اِنکارِ حق کے سبب اُن کے دلوں پر چھاپا لگا دیا ہے پس وہ ایمان نہ لائیں گے لیکن بہت ہی کم ۔''(سورۂ نساء آیت ۱۵۵) یہ مہر یا نشانی پہچان کے لیے جسے اولیا خدا اور ملائکہ اچھی طرح پہچانتے ہیں (بحارالنوار)

اصل میں جب خط کو بند کر دیا جاتا تھا تو اُس پر مُہر لگادی جاتی تھی تا کہ کوئی دوسرا کھولے تو معلوم ہو جائے۔ مہر لگانے کے بعد خط کے مضمون میں کوئی چیز بڑھائی گھٹائی نہیں جاسکتی تھی کیونکہ خط کھولا ہی نہیں جاسکتا تھا اس لیے دلوں پر مہر لگانے کے معنی یہ ہیں کہ اب یہ دل طلب حق کی کوئی زمین نہیں رکھتے۔ اس لیے اب ان میں ایمان کا اضافہ ممکن نہیں۔

تفسیر آیت نمبر ۸

حضرت امام جعفر صادقؑ سے رویت ہے کہ یہ آیت منافقوں کے بارے میں ہے جنہوں نے حضورا کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے تو اپنا ایمان ظاہر کر دیا مگر جب کفار کے پاس جاتے تو کہتے ہم تو تمہارے ساتھ ہیں۔ خدا نے اُن کا مذاق اس طرح اڑایا کہ اُن کو اُن کی سرزنش کے عالم میں سرگرداں چھوڑ دیا۔ (تفسیر برہان جلد ا ص ۳۷)

تفسیر آیت نمبر ۹

ابن بابویہ قمیؒ نے حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کی ہے کہ حضرت امامؑ نے فرمایا کہ: میرے والد بزرگوار سے کسی نے پوچھا کہ قیامت کے دن نجات کس چیز میں ہے؟ میرے پدرِ گرامی نے فرمایا: نجات اس میں ہے کہ خدا کو دھوکہ دے رہا ہوگا۔ پوچھا گیا کہ خدا کو دھوکہ دینے کی کوشش کس طرح کی جاسکتی ہے؟ فرمایا خدا کے حکم پر اس طرح عمل کرنا کہ لوگ دیکھیں اور تعریف کریں۔ لہٰذا عبادتوں میں ریا کاری یعنی دکھاوے سے بچتے رہو۔ کیونکہ یہ بھی خدا کے ساتھ شرک کرنا ہے ایسے دکھاوے کرنے والے قیامت کے دن چار ناموں سے پکارے جائیں گے (۱) کافر (۲) فاجر (بدکار) (۳) غادر (دھوکے باز یا بے وفا) (۴) خاسر (گھاٹا اُٹھانے والے) اُن سے کہا جائے گا۔ تیرا عمل برباد ہوا اور تیرا ثواب مٹ گیا، آج تیرے لیے ثواب کا کوئی حِصہ نہیں جس کے لیے تو نے عمل کیا تھا اُسی سے اپنا ثواب مانگ۔'' (تفسیر صافی ص ۲۲ تفسیر میزان جلدا ص ۳۸) غرض خدا کو دھوکہ کون دے سکتا ہے، وہ خود کو دھوکہ دے کر تباہ کرتا ہے (مجمع البیان) مگر اس دھوکہ دینے کی کوشش کے سبب اُس کی سزا کفار ومشرکین سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ اسی لیے خدا نے فرمایا: ''منافقین جہنم کی سب سے نچلی تہوں میں ہوں گے۔'' (سورۂ نساؔ) خدا کو دھوکہ یا تو نفاق کے ذریعے سے دینے کی کوشش کی جاتی ہے یا ریا کاری کے ذریعے سے یہ دونوں امراض قلب کے ہیں۔ (تفسیر صافی ص ۲۲) اسی لیے فرمایا: ''ان کے دلوں میں بیماری ہے'' اور دلوں کا علاج (۱) خدا اور رسولؐ کی صحیح معرفت ہے۔ یا (۲) خدا سے ملاقات اور آخرت کی زندگی کا استحصال ہے۔ (۳) مادی فوری فائدوں کی حقیقت اور کم مائیگی کو سمجھنا ہے۔

آیت القرآن نمبر ۱۱، ۱۲، ۱۳

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ لَا تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِۙ قَالُوۡۤا اِنَّمَا
نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ ۝۱۱ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ الۡمُفۡسِدُوۡنَ وَلٰـكِنۡ لَّا
يَشۡعُرُوۡنَ ۝۱۲ وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ اٰمِنُوۡا كَمَاۤ اٰمَنَ النَّاسُ
قَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ كَمَاۤ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ‌ؕ اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ
السُّفَهَآءُ وَلٰـكِنۡ لَّا يَعۡلَمُوۡنَ ۝۱۳

ترجمہ

(۱۱) اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ دُنیا میں خرابیاں نہ پھیلاؤ، تو وہ کہتے ہیں کہ ارے ! ہم تو صرف اِصلاح کرنے والے ہیں۔

(۱۲) یاد رہے کہ درحقیقت یہی لوگ خرابیاں پھیلانے والے ہیں۔لیکن وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔

(۱۳) اور جب اُن سے کہا جاتا ہے ''جس طرح دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں، اُسی طرح تم بھی ایمان لے آؤ'' تو وہ کہتے ہیں: ''کیا ہم بے وقوفوں کی طرح سے ایمان قبول کرلیں'' یاد رہے کہ درحقیقت یہ خود بے وقوف ہیں۔ مگر وہ یہ بات جانتے نہیں ہیں۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۱۰

اور خدا کا فرمانا کہ ”خدا نے اُن کی بیماریوں کو بڑھا دیا“ تو یہ خدا کی طرف سے سزا ہے۔ خود اُن لوگوں کے نفاق یا ریا کاری کی۔ اس لیے اس زیادتی کے اصل محرک خود یہی لوگ ہیں، خدا کی جانب سے اس کی نسبت صرف مجازی ہے۔ جیسا کہ زبور میں ہے کہ خدا نے فرمایا: ”بنی اسرائیل نے مجھے نہ چاہا تب میں نے اُن کے دلوں کی سرکشی کے بس میں چھوڑ دیا (زبور۔ ۸، ۱۰، ۱۱)“ ”پس خدا نے منہ موڑ کر اُنہیں چھوڑ دیا (اعمال ۷: ۴۲) خدا نے اُن کے دلوں کی خواہشوں کے مطابق اُنہیں ناپاکی میں چھوڑ دیا“ (رومیوں ۱: ۲۴)

تفسیر آیت نمبر ۱۱

زمین میں خرابیاں پھیلانے میں وہ برے کام داخل ہیں جو دوسروں کو نقصان پہنچائیں (امام رازی) کفر شرک یا ایسے بُرے کام جو اپنی ذات تک محدود ہوں، فساد میں داخل نہیں۔ البتہ، اگر اُن کاموں کے لیے دوسروں کو بھی دعوت دی جانے لگے تو پھر یہ کام فساد میں داخل ہوں گے۔

آیت القرآن نمبر ۱۴، ۱۵، ۱۶

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا ۚ وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ ﴿١٤﴾ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي

طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾ أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۪ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾

ترجمہ

(۱۴) جب یہ لوگ ایمانداروں سے ملتے ہیں ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو ایمان لا چکے ہیں، اورجب اپنے شیطانوں کے ساتھ اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ حقیقت میں تو ہم تمہارے ساتھی ہیں۔ہم تو محض مذاق کررہے ہیں۔

(۱۵) (وہ بھلا کیا مذاق کریں گے،اصل میں تو) خدا اُن سے مذاق کررہا ہے۔اوراُن کو ڈھیل دیتا جارہا ہے،

(۱۶) یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کوخرید لیا مگر یہ سودا نہ تو خُود اُن کے لیے نفع بخش ثابت ہوااورنہ اُنہوں نے ہدایت پائی۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۱۳

منافقین کی تعریف: آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا:''اے علیؑ! تیرے ساتھ نہ محبت کریگا مگر مومن،اور تجھ سے نہ بغض رکھے گا مگر منافق'' حضرت اُم سلمہؓ،حضرت ابوذرؓ،حضرت عبداللہ ابنِ عباسؓ وغیرہ معترف تھے کہ:''ہم منافق کو حضرت علیؑ کا ذکر کرکے پہچان لیا کرتے تھے''آ جکل اسی کو سیاست کہتے ہیں کہ دونوں مخالف گروپوں سے اندرہی

اندر ملے رہے تا کہ جس کو غلبہ حاصل ہوا اُسی سے نفع حاصل کیا جا سکے اور اسطرح چت بھی اپنی اور پٹ بھی اپنی ایسے لوگ کسی ایک طریقہ زندگی یا اصول کو اپنانے والوں کو احمق سمجھتے ہیں لیکن حقیقی عقلمندی یہ ہے کہ ابدی اور دائمی زندگی کو وقتی زندگی کے لیے قربان نہ کیا جائے۔ایسی سیاست اور منافقت آخرت کی تباہی ہی تباہی ہے۔

آیت ۱۵: حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا کہ "اللہ اُن کا ازخود مذاق نہیں اُڑاتا، بلکہ اُن کے مذاق اڑانے کی سزا دیتا ہے۔(روایت شیخ صدوقؒ) یہ مسخرے کو مسخرے پن کی سزا دینا ہے۔" (تاج العلما)

* اللہ نے اُن کے مذاق پر یہ سزا دی کہ اُن پر اسلام کا ظاہری حکم تو جاری کر دیا، لیکن آخرت میں کافروں سے بھی زیادہ سخت سزا دی، تو اب سوچئے کہ کون بے وقوف تھا اور کس کا مذاق اڑا۔" (بلاغی) اللہ ایسے ظالموں کو مہلت دیا کرتا ہے: بقول میر انیسؒ

(سچ ہے حرامزادے کی رسی دراز ہے)

تفسیر آیت نمبر ۱۶

یہ آیت انسان کے اختیار کی اور مجبور نہ ہونے کی بالکل واضح دلیل ہے اور فلاح کے معنی دنیا اور آخرت کی بھرپور ابدی اور حقیقی کامیابی ہے۔ (ا تفسیر انوار النجف جلد ۲ ص ۲۵۔۶۶)

آیت القرآن نمبر ۱۷، ۱۸، ۱۹

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِىْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ

الْمَوْتِ ؕ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾

ترجمہ

(۱۷) اُن کی مثال تو ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص آگ روشن کرے، اور جب آگ سارے ماحول کو روشن کردے تو اللہ اُن کی (آنکھوں کی) روشنی کو سلب کرلے اور اُن کو اندھیروں میں چھوڑ دے اس حال میں کہ اب اُنہیں کچھ بھی دکھائی نہ دے۔

(۱۸) یہ بہرے گونگے اور اندھے ہیں۔ اَب یہ ”اپنی گمراہی سے“ باز نہیں آسکتے۔

(۱۹) (یا پھر اُن کی مثال یہ ہے کہ) جیسے آسمان سے زور کی بارش ہورہی ہو اور اُس کے ساتھ ساتھ اندھیری گھٹا، کڑک اور چمک بھی ہو، اور وہ بجلی کے کڑاکے سُن کو مرنے کے ڈر سے اپنے کانوں میں اُنگلیاں دے لیتے ہوں۔ حالانکہ خدا اُن منکرینِ حق کو ہر طرف سے گھیرے میں لیے ہوئے ہیں۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۱۷

جب حضور اکرمؐ نے اعلان نبوت فرمایا تو اُس کی روشنی سے فائدہ اُٹھانا کافرین ومنافقین کے لیے بہت آسان تھا۔ مگر اُنہوں نے حق پر غور ہی نہ کیا اس لیے اس نور کو چمک اُن کی آنکھوں پر تھوڑی دیر کے لیے تو پڑی مگر غور نہ کرنے اور ضد کرنے کے سبب وہ نور اُن کے سامنے سے غائب ہوگیا۔ (بلاغی)

تفسیر آیت نمبر ۱۸

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ: ''منکرین حق جنھوں نے دنیا میں آنکھ، کان اور زبان سے حق کو نہ تو دیکھا نہ سنا، نہ مانا'' آخرت میں جہنم کے بھڑکتے ہوئے طبقوں میں پہنچ کر بہرے، گونگے اور اندھے ہوجائیں گے۔ جیسا کہ خود خدا نے فرمایا ہے۔ ''ہم اس دن اُنہیں منہ کے بل محشور کریں گے اور وہ اس وقت اندھے، گونگے اور بہرے ہوں گے، اُن کی جگہ جہنم ہوگی، جب بھی جہنم کی آنچ دھیمی پڑے گی ہم اُن پر اُس کو اور بھڑکا دیں گے'' (بنی اسرائیل ع'') (تفسیر برہان جلد ا ص ۱۴)

تفسیر آیت نمبر ۱۹

منافقین جب عذاب کی آیتیں سنتے تو کانوں میں اُنگلیاں ڈال لیتے تھے تاکہ خوف سے اُن کے چہروں کے رنگ نہ بدل جائیں۔ (تفسیر صافی ۲۳)

آیت القرآن نمبر ۲۰، ۲۱، ۲۲

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ
مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ
لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ
قَدِيْرٌ ۝۲۰ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ
وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝۲۱ الَّذِىْ جَعَلَ

لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

ترجمہ

(۲۰) قریب ہے کہ بجلی کی چمک ان کی بصارت ہی کو اُچک لے جائے۔ جب اُنہیں ذرا کچھ روشنی دکھائی دی، تو اُس میں کچھ دور چلنے لگتے ہیں اور جب اُن پر اندھیرا چھا جاتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور اگر خدا چاہتا تو اِن سے دیکھنے اور سننے کی طاقتوں ہی کو چھین لیتا۔ بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(۲۱) اَے انسانو! بندگی اختیار کرو اپنے اُس پالنے والے کی جس نے تمہیں اور جو لوگ تم سے پہلے گذرے ہیں، اُن سب کو پیدا کیا، عجب نہیں کہ اسطرح تم اپنے کو (اللہ کے عذاب سے) بچالے جاؤ۔

(۲۲) وہی (خدا) تو ہے جس نے تمہارے لیے زمین کا فرش بچھایا، آسمان کی چھت بنائی اور آسمان سے پانی برسایا اور اس طرح اُس نے ہر طرح کی پیداوار نکال کر تمہارے لیے رزق فراہم کیا پس جب تم (یہ سب کچھ) خوب جانتے ہو تو کسی دوسرے کو اللہ کا ہمسر یا مدمقابل نہ ٹھہراؤ۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۲۱

خدا کا تمام انسانوں کو خطاب کرنا بتاتا ہے کہ عبدیت الٰہی کا یہ پیغام تمام عالمِ انسانیت کو دیا جا رہا ہے۔ اور اس عبدیت کا نتیجہ تقویٰ ہوتا ہے۔ یعنی فرائض الٰہی کے ادا کرنے کی فکر اور برائیوں سے خود کو بچائے رکھنے کا اہتمام۔

حضرت امام زین العابدینؑ نے فرمایا کہ ”خدا نے زمین کو تمہاری طبیعتوں کے مطابق اور جسموں کے موافق بنایا، کہ اُس کو نہ تو بہت زیادہ گرم بنایا کہ تمہیں جلادے اور نہ بہت زیادہ ٹھنڈا بنایا کہ تمہیں جکڑ دے۔ زیادہ تیز خوشبودار بھی نہ بنایا کہ جس سے تمہارے سروں میں درد ہونے لگے اور نہ بدبودار بنایا کہ جس سے تم کو تکلیف ہو۔ نہ پانی کو اتنا ڈھیلا بنایا کہ تم ڈوب ہی جاؤ (اور تیر نہ سکو۔ دلدل کی طرح) اور نہ اتنا سخت بنایا کہ تم عمارتیں یا قبریں بھی نہ بنا سکو۔ تمہارے سروں پر آسمان کو چھت بنایا جو گرنے یا خراب ہونے سے محفوظ ہے اور اس میں تمہارے فائدے کے لیے آفتاب و مہتاب اور ستاروں کو بھر دیا اور بلندی سے پانی کو برسایا تاکہ پانی اونچے سے اونچے پہاڑوں تک پہنچ جائے اور ٹیلوں، گڑھوں میں پہنچ جائے۔ پھر بارش کی شکل میں ہلکا برسایا، تاکہ تمہاری زمین اچھی طرح سیراب ہو اور تمہاری کھیتیاں خراب نہ ہوں۔ پھر زمین سے وہ چیزیں پیدا کیں جو تمہارا رزق بنیں۔ پس خدا کو مثل بتوں کے قرار نہ دو، جو نہ سمجھتے ہیں نہ کسی چیز پر قدرت رکھتے ہیں“ ا ”یاد رہے کہ سَمَا“ عربی میں بلندی کے رُخ کی ہر شے کو کہتے ہیں۔“

(تفسیر برہان جلد ا ص ۲۴)

آیت القرآن نمبر ۲۳، ۲۴، ۲۵

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ ۖ وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۞۲۳ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚۖ
اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۴﴾ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ
كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ
رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِیْهَاۤ
اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّهُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ

(۲۳) اگر تمہیں اس بات پر شک ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر اُتاری ہے۔ یہ ہمارا کلام ہے کہ نہیں تو اس کے مانند تم ایک ہی سورت بنالاؤ۔ ایک اللہ کو چھوڑ کر جس جس کو چاہو اپنے سارے مددگاروں کو بُلا لو، اور اُن کی مدد بھی لے لو، اگر تم سچے ہو تو (ذرا یہ کام کرکے تو دکھاؤ۔)

(۲۴) لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا اور یقیناً ایسا ہرگز نہ کرسکو گے، تو پھر ڈرو اور بچنے کا سامان کرو اُس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر بنیں گے اور جو منکرین حق کے لیے تیار کی گئی ہے۔

(۲۵) جو لوگ (اس کتاب پر) ایمان لائے اور اُنہوں نے نیک کام بھی کیے تو اُن کے

لیے جنت کے گھنے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جب اُنہیں اُن باغات کا کوئی پھل کھانے کو ملے گا تو وہ کہیں گے کہ یہ تو وہی پھل ہیں جو پہلے دنیا میں ہم کو دیئے جاتے تھے۔ کیونکہ اِن باغوں کے پھل دنیا کے پھلوں سے ملتے جلتے ہوں گے (نیز) اُن کے لیے وہاں پاک وپاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۲۳

یہ چیلنج رسولِ خداؐ کی زبانِ مبارک سے نہیں دیا گیا، تاکہ انانیت کا کوئی پہلو نہ نکلے۔ نیز یہ بھی کہ رسولِ خداؐ تو صرف واسطہ ہیں، کلام تو خدا کا ہے، پھر عربوں کی حمیت پر کاری ضرب اس طرح بھی لگائی کہ چلو پوری کتاب کا جواب نہ سہی ایک سورہ ہی اس جیسا بنا لاؤ۔ پھر اس میں بھی طویل سورے کی قید نہیں لگائی، کسی بھی سورے کا جواب لانے کا چیلنج دیا۔ اور خطاب سارے عالم سے کیا گیا ہے۔

آیت القرآن نمبر ۲٦

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسۡتَحۡىٖۤ اَنۡ يَّضۡرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوۡضَةً فَمَا فَوۡقَهَا ‌ؕ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فَيَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهُ الۡحَـقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ‌ۚ وَاَمَّا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَيَقُوۡلُوۡنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ

بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ﴿۲۶﴾

ترجمہ

(۲۶) بیشک خدا اس بات سے ہرگز نہیں شرماتا کہ مچھر یا اُس سے بھی کسی حقیر تر چیز کی مثال دے پس جو لوگ حق بات کو قبول کرنے والے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے جو اُن کے پروردگار کی طرف سے آیا ہے اور وہ جو حقیقتوں کو ماننے والے نہیں ہیں، وہ ان (مثالوں) کو سن کر کہنے لگتے ہیں کہ بھلا اللہ کا ایسی مثال سے کیا مطلب ہوسکتا ہے؟ اس طرح ایسی مثالوں کے ذریعے اللہ بہت سوں کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور بہت سوں کو راہ راست دکھادیتا ہے۔ اور گمراہی میں چھوڑتا بھی ہے تو (صرف) ایسے ہی بدکاروں کو۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۲۴

جہنم کی سزا تو نافرمانوں کے لیے ہے۔ مگر کافروں و مشرکوں کی اس سے بڑھ کر توہین کیا ہوگی کہ جن پتھروں کو وہ پوجتے تھے۔ وہ بھی ان کے ساتھ آگ میں جھونک دیے جائیں گے (امام رازی) ان پتھروں کے خداؤں کے لیے تو ان کا خیال تھا کہ وہ خدا سے ہماری سفارش کریں گے۔ اب وہ سفارشی خود ہی جہنم میں جھونک دیے جارہے ہیں تو کافروں کی حالتِ زار کیا ہوگی!

تفسیر آیت نمبر ۲۵

جنتیوں نے یہ نہ کہا کہ یہ وہی پھل میں جو دنیا میں تھے۔ بلکہ کہا کہ اِن سے ملتے جُلتے ہیں'' یعنی حقیقت اور لطف کے لحاظ سے تو بہت بہترین مگر شکل وصورت اُن کی جیسی ہے۔

تفسیر آیت نمبر ۲۶

کافر مچھر کی مثال کا مذاق اڑاتے تھے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: خدا نے مچھر کی مثال اس لیے دی کہ ہاتھ جیسی بڑی چیز میں جتنے اعضاء ہیں، مچھر کے چھوٹے سے جسم میں وہ تمام اعضا بھی ہیں اور اُن کے علاوہ دو اعضا اور بھی ہیں جو ہاتھی میں نہیں (یعنی ہاتھی کے چار ۴ پاؤں ہوتے ہیں جبکہ مچھر کے چھ ۶ ہوتے ہیں اور چار ۴ پر بھی ہوتے ہیں) پھر ہاتھی کے سونڈ میں ایسا سوراخ نہیں ہے جس سے کھانا اُس کے پیٹ تک پہنچ سکے جبکہ مچھر کی سونڈ میں ایسا سوراخ موجود ہے۔ خدا نے مومنین کو اپنی قدرت بتائی کہ وہ ایسی باریک نازک عجیب مخلوق بھی پیدا فرماتا ہے''۔ (تفسیر برہان جلد ا ص ۴۵: تفسیر مجمع البیان وتفسیر انوار القرآن وتفسیر صافی ۲۵) اور خدا کا یہ فرمانا کہ ''یضل به کثیرا'' جس کا ترجمہ بعض مفسرین نے یہ کیا ہے کہ ''خدا بہت سوں کو گمراہ کرتا ہے۔ ''غلط'' ''ضلال'' کے عربی میں کئی معنی ہیں۔ اور ''ضائع کرنا'' بھی اس کے معنی ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں فرمایا: ''اضل اعمالهم'' (پارہ ۲۶ سورہ ۴۷ محمد آیت ۸) یعنی اُن کے اعمال ضائع یا برباد کرے گا۔ گمراہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو پہلے مخالف پر تلے ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ خود اپنے اختیار سے گمراہی کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ (مجمع البیان) اس لیے آخر میں فرمایا: ''ومایضل بہ الا الفٰسقین'' یعنی اور وہ (خدا) گمراہی میں نہیں چھوڑتا برے کام والوں۔'' اس معنی نے واضح کر دیا کہ گمراہ کرنے کی نسبت اللہ کی طرف پھیرنے سے ''عقیدۂ جبر'' ثابت نہیں ہوتا۔ (تفسیر کبیر، امام رازی)

آیت القرآن نمبر ۲۷، ۲۸

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ص

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي
الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝٢٧ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ
بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ
يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝٢٨

ترجمہ

(۲۷) جو اللہ سے کیے ہوئے عہد و پیمان یا معاہدہ کو مضبوط باندھ لینے کے بعد بھی توڑ دیتے ہیں۔ اور اللہ نے جن (تعلقات) کے جوڑنے کا حکم دیا ہے اُسے کاٹ دیتے ہیں، اور زمین میں فساد برپا کرتے پھرتے ہیں، حقیقت میں یہی لوگوں نقصان اُٹھانے والے ہیں۔

(۲۸) آخر تم کس طرح اللہ کا انکار کرتے ہو جب کہ تم بالکل بے جان تھے تو اُسی نے تمہیں زندگی عطا کی، پھر وہی تم کو مارڈالے گا، پھر وہی تمہیں دوبارہ (قیامت میں) زندگی عطا کریگا پھر اُسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۲۷

یہ معاہدہ یا عہد، عہد فطرت ہے جو کہ انسان فطرتاً اپنی عقل وضمیر کے تقاضے رکھتا ہے جن کے خلاف عمل کرنا

خدا کے عہد کو توڑنے کے مترادف ہے۔ (تفسیر مجمع البیان)

پھر اس عہد کی تجدید انبیا اور خدا کی کتابوں کی بھرپور دلیلوں سے ہوتی ہے۔ بائبل کا تو نام ہی یہودی ونصرانی اصطلاح میں "پرانا عہد نامہ" اور "نیا عہد نامہ" ہے۔

رشتہ اور تعلق توڑنے سے مراد یہ ہے کہ جب اللہ کے حقوق ادا کیے تو اللہ سے رشتہ توڑا، اور جب بندوں کے حقوق نہ ادا کیے تو بندوں سے تعلق توڑا۔ (تفسیر مجمع البیان)

آیت القرآن نمبر ۲۹، ۳۰

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾

ترجمہ

(۲۹) وہی تو (خدا) ہے جس نے تمہارے فائدے کے لیے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں۔ پھر اُوپر کی طرف توجہ فرمائی اور سات آسمان درست کیے۔ اور وہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے۔

(۳۰)اوراُس وقت کا ذرا تصور تو کرو کہ جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا تھا کہ میں زمین پر اپنا ایک جانشین یا نائب مقرر کروں گا۔تو اُنہوں نے عرض کی کہ کیا تو زمین میں ایسا نائب بنائے گا جو زمین میں فساد اور خرابی پھیلائے اور خون خرابہ کرے۔ حالانکہ ہم تو تیری تعریف کے ساتھ تسبیح بھی کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی کو سراہتے رہتے ہیں۔اس پر خدا نے فرمایا یقین جانو کہ میں جو کچھ جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۲۹

انسان نے خود کو ہر چیز کا محتاج دیکھا تو ہر چیز کے سامنے سر جھکانے لگا۔ایسے انسان کو بتایا جارہا ہے کہ یہ سب چیزیں تو پیدا ہی تیرے لیے کی گئی ہیں۔سر اُس کے سامنے جھکاؤ جس نے یہ سب چیزیں پیدا کر کے تمہارے قبضہ اختیار میں دے دیا۔

تفسیر آیت نمبر ۳۰

"اِنِّی جاعل فی الارض خلیفۃ" یہ استمرار دلالت کرتا ہے۔یعنی: میں ہمیشہ زمین پر خلیفہ مقرر کیا کرونگا۔یعنی زمین کبھی حجت خدا سے خالی نہ رہے گی نیز اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ خدا کے سوا کسی کو خلیفہ خدا بنانے کا حق نہیں۔خدا نے اور واضح طور پر اس طرح فرمایا: پروردگار جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے منتخب کرتا ہے۔لوگوں کو اختیار نہیں کہ (خدا کے خلیفہ کا) انتخاب کرلیں۔(پارہ ۲۰ قصص) خدا نے فرمایا: "اے داوٗد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا" (پارہ ۲۳ ص ع ۲)

حضرت موسیٰؑ نے خدا سے دعا کی۔"میرے اہل سے میرا وزیر قرار دے" (پارہ ۱۶۔طٰہٰ ع ۳) معلوم ہوا کہ خدا اپنا نائب اور خلیفہ خود مقرر فرماتا ہے، اُس کے بندوں یا اُمتِ رسول کو حق نہیں کہ خدا یا رسول کا خلیفہ بنالے۔

خلافت یا جانشینی کے معنی خدا کی صفات کا مظہر ہونا ہے۔صرف اِنسان کامل ہی خدا کے فیوض کو پوری طرح حاصل کر کے خدا کا نمائندہ بن کر خدا کی طرف سے کارِ ہدایت انجام دے سکتا ہے۔اوراس طرح وہ مخلوقات پر خدا کی حجت ہوتا ہے اور خدا کی حجت کو تمام کرتا ہے۔سب سے پہلے خدا کا خلیفہ نبی ہوتا ہے پھر خدا کا بنایا ہوا نبی کا جانشین ہوتا ہے۔

*حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے۔''خدا کا خلیفہ تمام زمین پر خدا کی مخلوق کے مقابلے میں خدا کی حجت کے تمام ہونے کا ذریعہ ہوتا ہے''

* وہ اللہ کا جانشین اس لیے ہوتا ہے کہ وہ زمین میں خدا کے احکام کو قائم کرتا ہے اوراس کے مطابق فیصلے جاری کرتا ہے۔(معالم وماجدی)(صافی)

* اسی طرح خدا نے ہر پیغمبر کو اپنا خلیفہ بنایا تا کہ زمین آباد ہو،لوگوں میں نظم ونسق قائم ہو۔اوران کے نفوس کمال کی منزلوں پر فائز ہوں اور خدا کے احکامات لوگوں میں جاری اور نافذ ہوں۔''(بیضاوی)۔ہ۔اگر خلافت کا منصب ملائکہ کی نگاہ میں بہت بلند نہ ہوتا تو وہ ملک ہوتے ہوئے اس کی آرزو کیوں کرتے؟ رہا ملائکہ کا سوال تو اس کا جواب قدرت نے اس وقت دینا مناسب نہ سمجھا شاید اس لیے کہ قدرت کو خلیفہ کے تعین کے معاملے میں کسی کی کسی طرح کی شرکت قبول نہ تھی۔(فصل الخطاب)

آیت القرآن نمبر ۳۱، ۳۲

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَى الۡمَلٰٓـئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنۡۢبِـُٔوۡنِىۡ بِاَسۡمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝۳۱ قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ ۝۳۲

ترجمہ

(۳۱) اس کے بعد اللہ نے آدمؑ کو وہ تمام نام سکھا دیئے پھر اُن ''اشخاص'' (محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ) کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا ''اگر تم سچے ہو (کہ تم خلافتِ الٰہیہ کے اہل ہو) تو ذرا اِن (اشخاص) کے نام تو بتاؤ۔؟

(۳۲) اُنہوں نے عرض کی کہ ہر عیب سے پاک تو آپ کی ہی ذات ہے ہم تو بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں جتنا آپ ج نے ہم کو عطا فرمایا ہے۔ حقیقت میں آپ ہی بڑے جاننے والے اور مصلحتوں کو پہچاننے والے ہیں۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۳۱

خدا کا فرمانا کہ ''پھر ان اشخاص کو پیش کیا۔'' تو ''ھُم'' کی ضمیر صاحبان عقل افراد کے لیے ہی استعمال ہوتی ہے۔ نیز لفظ ''ھٰو لآءِ'' یہ یعنی ''یہ'' سے معلوم ہوا کہ صرف اسماءَ کے مسمیات بطور اشباح سامنے موجود کر کے دکھائے گئے۔ کتنے عالی اشخاص ہوں گے کہ جنکی معرفت معیارِ خلافت قرار پائی۔ ان اسماءَ سے مراد ''محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنین اور ائمہ اہل بیت ہیں۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''خدا کی قسم! وہ اَسماءَ ہم ہیں کسی انسان کا کوئی عمل ہماری معرفت کیے بغیر قبول نہ ہوگا۔''[۱]

*عقلاً یہ اسماءَ تمام چیزوں کے نام نہیں ہو سکتے۔ اس لیے وہ چیزیں تو ابھی پیدا ہی ہوئی تھیں۔ یہ صاحبان عقل شخصیتوں کے نام تھے۔ جنکے نام سن کر ملائکہ نے تسلیم کر لیا کہ یقیناً ایسے پاک انسان خلافت الٰہیہ کے سزاوار ہیں۔

---

[۱] تفسیر المیزان۔ فصل الخطاب۔ البلاغی) ۲ے (تفسیر صافی ۷ ۲، تفسیر بُرہان)

تفسیر آیت نمبر ۳۲

آدم اور ملائکہ کا اصل امتحان یہ تھا کہ ملائکہ اور آدمؑ کو ان اشخاص کے نام تو معلوم تھے۔ اب خدا نے ان اشخاص کو ملائکہ اور آدمؑ کے سامنے پیش کیا اور فرمایا کہ ان اشخاص اور ان کے ناموں کو دیکھ کر یہ بتاؤ کہ کونسا نام کس شخص کا ہے۔ یعنی مسمیات اور اَسماء کی تطبیق کرو۔ یہ حافظہ کا امتحان نہیں تھا، بلکہ ذہانت کا امتحان تھا جس سے آدمؑ، ملائکہ سے افضل ثابت ہوئے۔'' (البلاغی۔ ملخص حدیث از امام جعفر صادق علیہ السلام)

اگر بتائی ہوئی چیزوں کے صرف نام بتانے کا سوال ہوتا تو ملک ہرگز اعتراف نہ کرتے کیونکہ فرشتے بھولا نہیں کرتے۔ مگر یہاں تو ذہانت اور تطبیق اسماء کا سوال تھا۔ یعنی نتیجے نکالنا اور تحقیق کرنا۔ اس سے ملک عاجز ہوئے اور کہا: بس ہمیں تو اتنا ہی علم ہے جتنا کہ آپ نے ہم کو بتا دیا ہے۔'' ہم اُس سے زیادہ کچھ نہیں بتا سکتے۔ پھر خدا پر اعتراض بھی نہ کیا، بلکہ کہا: ''تو'' حکیم'' ہے۔ یعنی تیرا ہمیں یہ صلاحیت نہ دینا حکمت پر مبنی ہے اور بالکل ٹھیک ہے۔

آیت القرآن نمبر ۳۳

قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآٮِٕهِمۡ‌ۚ فَلَمَّآ اَنۡۢبَاَهُمۡ
بِاَسۡمَآٮِٕهِمۡ ۙ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّکُمۡ اِنِّىۡۤ اَعۡلَمُ غَيۡبَ
السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِۙ وَاَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا كُنۡتُمۡ
تَكۡتُمُوۡنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ

(۳۳) (پھر اللہ نے) کہا: اے آدم! تم اِن (فرشتوں) کو اِن (اشخاص) کے نام بتا

دو۔پس جب اُس (آدم) نے اُن کوسب کے نام بتادیئے۔تو (اللہ نے فرشتوں سے) فرمایا میں تم سے نہ کہتا تھا کہ یقیناً میں آسمانوں اور زمین کی ساری چھپی ہوئی حقیقتوں کو جانتا ہوں اور میں وہ بھی جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے تھے اور وہ بھی جو تم (دلوں میں) چھپائے ہوئے تھے۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۳۳

آدمؑ نے اسماءکو دیکھا، پھر جن کے نام تھے اُن کو دیکھا۔مناسبتوں کا لحاظ کیا اور غور وفکر سے کام لیا۔ بالآخر یہ بتادیا کہ یہ نام اِن کا ہے اور وہ نام اُن کا ہے۔''اس پر ملائکہ نے مان لیا کہ آدمؑ کی صلاحتیں ہم سے اعلیٰ اور برتر ہیں اور اسی موقع پر خدا نے اُن کو یاددلایا کہ دیکھو! میں نہ کہتا تھا کہ''جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔''یعنی اب تو تم سمجھ گئے کہ میں نے تمہیں چھوڑ کر آدمؑ کو خلیفہ کیوں منتخب کیا۔(تفسیر فصل الخطاب)

آیت القرآن نمبر ۳۵،۳۴

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۖ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ

فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾

ترجمہ

(۳۴) اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو اُن سب نے سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے اِنکار کیا اور اُس نے تکبر کیا اور وہ تو حقیقت میں کافروں (منکروں) میں سے تھا۔ (۳۵) پھر ہم نے آدمؑ سے کہا کہ تم اور تمہاری بیوی دونوں جنت میں رہو اور یہاں جیسا تمہارا دل چاہے مزے اور بے فکری کے ساتھ جو چاہو کھاؤ، مگر اس درخت کے پاس نہ جانا ورنہ تم حد سے آگے بڑھ جانے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۳۴

''یہاں سجدے سے مراد پیشانی جھکانا ہے۔'' (قولِ امام جعفر صادق علیہ السلام از تفسیر مجمع البیان) یہ لفظیں بھی یہی بتاتی ہیں۔ کیونکہ سجدہ کی اضافت ''لام'' سے کی گئی ہے۔ (لِاٰدَمَ) جو سجدہ کا پتہ دیتی ہے۔ اگر قبلہ بنایا جاتا تو اِلٰی آنا چاہیے تھا۔ یہ طریقہ تعظیم پہلے ممنوع نہ تھا لیکن اب کسی غیر اللہ کی اس طرح سے سر جھکا کر تعظیم کرنے کی ممانعت ہے۔ (جامع البیان للطبری، نیشاپوری)

شیطان ایک مخلوق ہے جو آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔ ذی شعور و ذی حیات ہے، سوچتا سمجھتا ہے، شیاطین ہم کو دیکھتے ہیں مگر اُن کو نہیں دیکھ سکتے۔ شیطان کی اولاد ہوتی ہے۔ پہلے جنات کے ساتھ یہ زمین پر تھا مگر جب زمین کو جنات سے پاک کیا گیا تو اس کو اس کے ذاتی کردار اور عبادت کی وجہ سے جنوں سے الگ کر کے ملائکہ کی جماعت میں پہنچا دیا گیا تھا۔ اس میں تکبر پیدا ہوا اور انجام کار تباہ و برباد ہوا۔ (فصل الخطاب)

تفسیر آیت نمبر ۳۵

حضرت امام علی رضاؑ نے فرمایا: حضرت آدمؑ اور حضرت حوّاؑ سے کوئی گناہ منافی عصمت نہیں ہوا۔ خدا نے ان کو درخت کے قریب جانے سے روکا تھا۔ یہ نہیں فرمایا تھا کہ اُس درخت کی جنس کی کوئی چیز نہ کھانا۔ آدمؑ وحوا اُس درخت کے قریب ہرگز نہیں گئے۔ البتہ شیطان کے دھوکے اور قسم کھانے کی وجہ سے اُسی جنس کے ایک درخت سے کچھ کھایا۔ لہٰذا کوئی گناہ نہیں بچا (تفسیر صافی ص ۱۹ بحوالہ عیون الاخبار الرضا)

*حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ: ''جنت سے یہاں مراد دنیا کا ایک باغ تھا جس میں سورج، چاند طلوع ہوتے تھے'' لیکن ممکن ہے کہ دنیا سے مراد کوئی اور سیارہ ہو جہاں چاند اور سورج طلوع ہوتے ہوں (البلاغی) مگر وہاں محنت اور مشقت نہ تھی، اور خدا کا خاص درخت سے روکنا صرف ایک ناصحانہ مشورہ تھا جس کے نہ ماننے سے کچھ منطقی نتائج اور نقصانات لازمی تھے۔ جیسے ڈاکٹر مریض سے کچھ چیزوں کو کھانے سے منع کر دے۔ اب اگر وہ نہ مانے گا تو لازمی طور پر کچھ تکالیف میں مبتلا ہوگا۔ اسی لیے خدا نے آدم سے پہلے کہا تھا ''دیکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ (درخت کے پاس جانا) تم دونوں کو بہشت سے نکالنے کا باعث ہوجائے جس کی وجہ سے تم مشقت میں گرفتار ہوجاؤ۔ یہاں تو تمہارے لیے یہ ہے کہ تم بھوکے بھی نہیں ہوتے اور برہنہ بھی نہیں ہوتے پیاس بھی نہیں لگتی اور دھوپ کی تکلیف بھی نہیں اُٹھانی پڑتی۔''

اور ظلم'' کے معنی قرآن نے بتائے ''اللہ کی مقرر کردہ حدود سے قدم بڑھانے والے ظالمین ہیں'' مگر دیکھنا ہوگا کہ ''حد'' بطور واجب کے لازم کی گئی ہے یا بطور ارشاد، ہدایت یا نصیحت کے۔ اگر یہ ''حد'' بطور واجب ہوگی تو اُس سے تجاوز کرنا گناہ ہوگا جو عصمت کے منائی ہے لیکن آدمؑ کے لیے یہ حد بطور نصیحت کے اگر'' یہ حد'' بطور واجب ہوگی تو اُس سے تجاوز کرنا گناہ ہوگا جو عصمت کے منافی ہے لیکن آدمؑ کے لیے یہ حد بطور نصیحت کے تھی اس لیے نہ گناہ ہوا نہ عصمت کی نفی ہوئی۔ یہ ترکِ اولیٰ تھا۔ یعنی بہتر کام کا ترک کرنا یعنی راحت وآرام کو چھوڑ کر تکلیف میں مبتلا ہونا۔ (نیشاپوری، بلاغی، فصل الخطاب،)

حضرت آدمؑ کے عمل کا منطقی ضرر یہ ہوا کہ اُن کی اس جنت سے نکلنا پڑا۔ اگر یہ گناہ ہوتا تو خدا اپنی ناراضگی کو بیان فرماتا۔ اور خود قدم پھیلانے کا لفظ بتا رہا ہے کہ آدمؑ کا عمل کوئی خدا کی مخالفت کے ارادے سے نہ تھا۔ اس لیے خدا نے اپنی ناراضگی کا اظہار نہ فرمایا، بلکہ یہ فرمایا کہ آدمؑ جس آرام گاہ میں تھے وہاں سے نکال دیئے گئے۔ اسی نقصان

سے بچانے کے لیے یہ نصیحت کی گئی تھی کہ ''اس درخت کے قریب نہ جانا۔''

آیت القرآن نمبر ۳۶، ۳۷

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪
وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي
الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾ فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ
رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾

ترجمہ

(۳۶) آخر کار شیطان نے اُن دونوں کا قدم پھسلا کر اُنہیں اس حالت سے کہ جس میں وہ تھے نکلوا کر ہی چھوڑا۔ تو ہم نے حکم دیا کہ اب تم سب یہاں سے اُتر جاؤ۔ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔ اور تمھیں ایک خاص وقت تک زمین پر (امتحاناً) ٹھہرنا ہے۔ اور وہیں تمھیں فائدہ اُٹھانے کا ایک وقت اور موقع ہوگا۔ (۳۷) اس کے بعد آدم نے اپنے پالنے والے سے کچھ کلمات سیکھ لیے (اور توبہ کی) تو خدا نے اُن کی توبہ قبول کر لی کیونکہ وہ بڑا معاف کرنے والا، بڑا رحم فرمانے والا ہے۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۳۷

حضرت امام محمد باقرؑ سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا: وہ کلمات یہ تھے "اللھم بجاہِ محمدٍ وعلی وفاطمه والحسن والحسین والطیبین من الھم ۔" یعنی اے اللہ! محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ و حسینؑ اور اُن کی طیب آلؑ کے واسطے سے میری رجوع قبول فرمایا" (تفسیر صافی ص ۲۹ بحوالہ کافی ۔ و دُرِ منثور امام سیوطی ص ۱۶ سطر اج ۱)

*حضرت آدمؑ کی بے چینی اُس ترک اولیٰ پر بھی اتنی شدید تھی اور خدا کی عظمت کا اتنا احساس تھا کہ بے حد روئے ۔ یہ ذوقِ عبدیت کی بلندی تھی کہ دل ہی دل میں اپنے اس عمل پر آدمؑ کڑھتے تڑپتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کی مہربانیوں نے ہاتھ تھاما۔ حضرت آدمؑ کو خود توبہ کا طریقہ سکھایا۔ آدمؑ کو ایک مرتبہ بلند سے پیچھے رہ جانے کا شدید احساس ہوا، جس نے توبہ کا عزم دیا۔ اور یہ توبہ صرف حضرت آدمؑ نے کی حواؑ نے نہ کی۔ اگر آدمؑ کا فعل، فعلِ حرام ہوتا تو تو جناب حوا کو کو بھی توبہ کے الفاظ سکھائے جاتے۔ معلوم ہوا کہ یہ عمل فعلِ حرام نہ تھا۔ صرف حضرت آدمؑ کا فعل، فعلِ حرام ہوتا تو جنابؑ حوّا کو کو بھی توبہ کے الفاظ سکھائے جاتے۔ معلوم ہوا کہ یہ عمل فعلِ حرام نہ تھا۔ صرف حضرت آدمؑ کے اعلیٰ مرتبے کے مناسب نہ تھا۔ اس لیے آدمؑ ہی کو توبہ سکھانے کی ضرورت ہوئی۔

آیت القرآن نمبر ۳۸، ۳۹

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۳۸ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ

اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ

(۳۸) (پھر) ہم نے کہا کہ تم سب یہاں سے اُتر جاؤ۔ پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے تو جس نے میری ہدایت کی پیروی کی، اُن کے لیے نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ اُنہیں کوئی رنج پہنچے گا۔

(۳۹) اور جو اس کو قبول کرنے سے انکار کریں گے، اور ہماری نشانیوں کو جھٹلائیں گے، وہ آگ میں جانے والے لوگ ہیں، جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۳۸

قبول توبہ کے بعد آدمؑ کو زمین پر اُترنے کا حکم دینا، بتاتا ہے کہ آدمؑ وحواؑ کا زمین پر آنا بطور سزا نہ تھا۔ ورنہ توبہ کے قبول ہونے کے بعد سزا کا کیا سوال؟ یہ تو درخت کے قریب جانے کا منطقی نتیجہ تھا۔ آدمؑ کو اِس زمین کے لیے ہی پیدا کیا گیا تھا۔ شروع دن سے فرمایا تھا: ''انی جاعل فی الارض خلیفة۔'' یعنی میں زمین پر ایک خلیفہ (جانشین) قرار دینے والا ہوں'' درخت سے کھالینا زمین پر اُترنے کا فوری سبب قرار پایا۔ ورنہ بعد میں زمین پر تو آنا ہی تھا کیونکہ یہی آدمؑ کی غرض تخلیق تھا۔ اور خدا کا یہ فرمانا کہ ''ان کو کوئی خوف ورنج نہ ہوگا'' اس کا تعلق دنیا سے نہیں اسکا تعلق آخرت سے ہے۔ دنیا میں تو صاحبان ایمان کا امتحان خوف ورنج سے لیا ہی جاتا ہے۔

آیت القرآن نمبر ۴۰، ۴۱

يٰبَنِىٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِىَ الَّتِىۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ
وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِىۡٓ اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ ۚ وَاِيَّاىَ فَارۡهَبُوۡنِ ۝٤٠
وَاٰمِنُوۡا بِمَآ اَنۡزَلۡتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمۡ وَلَا تَكُوۡنُوۡٓا
اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۖ وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِىۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ۫ وَّاِيَّاىَ
فَاتَّقُوۡنِ ۝٤١

ترجمہ

(۴۰) اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمت تو یاد کرو جو میں نے تم کو عطا کی تھی (اِس لیے) میرے ساتھ جو تمہارا معاہدہ ہے اُسے پورا کرو۔ (تاکہ) میں اپنا وہ معاہدہ پورا کروں جو میں نے تم سے کیا تھا۔ اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔ (یعنی میرے قانون مکافات سے)

(۴۱) اور میں نے جو کچھ بھیجا ہے اُس پر ایمان لاؤ۔ یہ (قرآن) اُس کی تائید کرتا ہے جو تمہارے پاس پہلے سے موجود ہے۔ لٰہذا سب سے پہلے تم ہی اُس کے منکر نہ بنو۔ اور میری آیتوں کو ذرا سی قیمت پر نہ بیچ ڈالو۔ ورنہ پھر مجھ سے بچاؤ کی فکر کرلو۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۴۰

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ جبکہ خداوند عالم نے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ ''تم مجھ سے دعا مانگو میں قبول کروں گا'' مگر ہم دعا مانگتے ہیں لیکن قبول نہیں ہوتیں؟ امام علیہ السلام نے فرمایا: ''تم نے خدا سے جو عہد کیے ہیں تم اُن کو پورا نہیں کرتے، حالانکہ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے۔'' اُوفوا بعھدیۤ اُوفِ بعھدِ کمۡ ''یعنی تم میرا عہد پورا کرو، میں تمہارا عہد پورا کروں گا'' (تفسیر صافی)

حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے حضرت اسحاقؑ ہوئے۔ اور حضرت اسحاقؑ کے بیٹے جناب یعقوبؑ ہوئے جو اسرائیل کہلائے۔ عبرانی زبان میں ایل'' اللہ کو کہتے ہیں اور ''اسراء'' کے معنی قوت کے ہوتے ہیں۔ اس طرح ''اسرائیل'' کے معنی اللہ کی قوت'' خدا نے بنی اسرائیل کو پیغمبری کی نعمت بھی دی اور حکومت و بادشاہت کی نعمت بھی دی۔ (سورہ مائدہ ۲)

تفسیر آیت نمبر ۴۱

یہ آیت یہودی علماء کے لیے خاص طور پر اُتری ہے۔ وہ لوگوں سے غلّہ و مال وصول کر کے اُن آیتوں کو چھپا دیتے تھے جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات اور نشانیاں بیان کی گئی تھیں۔ اُن کو خوف تھا کہ اگر لوگ حضور اکرمؐ کو مان لیں گے تو ہماری آمدنی بند ہو جائیگی قلیل'' یعنی کم قیمت اس لیے فرمایا کہ خدا کی آیتوں کی قیمت میں اگر ساری کائنات کو بھی لگا دیا جائے تو کم ہی قرار پائے گی۔ (تفسیر صافی ص ۳۰، تفسیر مجمع البیان، کشاف)

آیت القرآن نمبر ۴۲ تا ۴۵

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا
مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ
اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾
وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا
عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ

(۴۲) اور حق کو باطل کے ساتھ خلط ملط نہ کرو۔ اور نہ حق کو جانتے بوجھتے چھُپانے کی کوشش کرو۔

(۴۳) اور نماز کو قائم کرو، زکوٰۃ دیتے رہو۔ اور جو لوگ میرے سامنے جھک رہے ہیں اُن کے ساتھ تم بھی جھک جاؤ۔

(۴۴) تم دوسروں کو تو نیکی کرنے کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟ حالانکہ تم اللہ کی کتاب پڑھتے رہتے ہو، کیا تم عقل سے بالکل ہی کام نہیں لیتے ؟

(۴۵) اور صبر اور نماز سے مدد لو۔ بیشک نماز ایک مشکل کام ہے، مگر اُن فرماں

برداروں کے لیے نہیں جو عظمتِ خداوندی سے متاثّر ہو کر جھک جانے والے ہیں۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۴۲

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''اگر باطل حق کی ملاوٹ سے صاف ہو تو حق کے طلبگاروں پر باطل پوشیدہ نہ رہے اور اگر حق باطل سے بالکل الگ ہو تو دشمنوں کی زبانیں اُس پر نکتہ چینی سے بند ہو جائیں۔ لیکن ہوتا یہی ہے کہ ایک مٹھی حق کی لی جاتی ہے اور ایک مٹھی باطل کی، اور پھر ملا کر سامنے لایا جاتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شیطان اپنے دوستوں پر قابو پالیتا ہے'' (نہج البلاغہ)

حقیقت یہ ہے کہ ہر مذہب کے عوام تو سادہ مزاج ہوتے ہیں اور علماء گرفتار اغراض ہوتے ہیں۔ عوام تو اُن جانے میں باطل کو اختیار کر لیتے ہیں مگر علماء حقیقت سے واقف ہوتے ہیں مگر اپنے مفادات اور چودھراہٹ کو بچانے کے لیے حق کو چھپاتے ہیں۔ بقول اقبال:

دینِ مرداں فکر و تدبیر و جہاد
دینِ مُلّا، فی سبیل اللہ فساد

تفسیر آیت نمبر ۴۳

یہاں زکوٰۃ سے مراد فطرہ ہے۔ کیونکہ جس وقت یہ آیت اُتری تھی مسلمانوں کے پاس زکوٰۃ دینے کے لیے کچھ بھی نہ تھا۔ (بروایت حضرت امام موسیٰ کاظمؑ از تفسیر صافی ص ۲۰ بحوالہ کافی)

* فقہاء نے اس بحث سے نتیجہ نکالا کہ نماز جماعت کی اُس رکعت میں شامل ہونے کا آخری موقع رکوع ہے۔

تفسیر آیت نمبر ۴۵

مومن کا ایک سہارا اُس کے قلب کی اندرونی قوت، برداشت کی قوت ہے جس کو صبر کہا گیا ہے اور دوسرا سہارا بیرونی قوت ہے جو پردہ غیب میں ہے جس سے مدد لینے کا طریقہ نماز کو بتایا گیا ہے کیونکہ صبر کی قوت کو روز سے تقویت دی گئی ہے اس لیے صبر سے مراد ''روزہ'' بھی لیا گیا ہے۔ (تفسیر صافی) صبر کے ذریعہ انسان میں استقلال اور ثبات قدم پیدا ہونا اور نماز کے ذریعہ رجوع الی اللہ اور خدا کی طرف سے توفیقات کا حاصل ہونا یہی ہے رختِ سفر میر کارواں کے لیے:۔

آیت القرآن نمبر ۴۶، ۴۷، ۴۸

الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ۝۴۶ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۝۴۷ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ۝۴۸

ترجمہ

(۴۶) جو یہ سمجھتے ہیں کہ آخر کار اُنہیں اپنے پروردگار کا سامنا کرنا ہے اور اُنہیں اُسی کی

طرف پلٹ کر جانا ہے۔

(۴۷) اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمت تو یاد کرو جس سے میں نے تمہیں دنیا کی ساری قوموں سے زیادہ عطا کیا تھا۔

(۴۸) اور اُس دن سے بچنے کا سامان کرو جب نہ کوئی دوسرے کو کوئی فائدہ ہی پہنچا سکے گا اور نہ کسی کی سفارش قبول کی جائے گی، اور نہ کسی کو فدیہ لے کر چھوڑا جائیگا، اور نہ اُن (مجرموں) کو کہیں سے بھی کوئی مدد مِل سکے گی۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۴۷

ان نعمتوں سے مراد "نبوت"، مَن وسلوٰی، پتھر سے پانی کا نکلنا، دریائے نیل میں راستے کا بننا، دشمنوں سے نجات، دشمنوں کا دریا میں ڈبو دینا وغیرہ وغیرہ اور یہاں "فضیلت" سے مراد "دولت کی فراوانی ہے۔ مرتبہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ (فصل الخطاب)

* اور "فصل" سے مراد قرآن میں دولت کو بھی لیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا: "فَمَا الَّذِينَ فُضِّلُوا بِرَآدِّي رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ...... الخ یعنی "تو جنہیں زیادہ رزق دیا گیا وہ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ اُس کا پلٹا دیں اُن کی طرف جو (غلام) اُن کی ملکیت میں ہیں" (۱۶ نحل آیت ۷۱) عالمین پر فضیلت دی کا مطلب کثرت سے مال ودولت عطا کیا۔ اور یاد کرو۔ کہہ کر بتا دیا کہ "یہ ماضی کا ذکر ہے"۔

تفسیر آیت نمبر ۴۸

تفسیر بُرہان میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ یہاں جس دن سے ڈرایا گیا ہے اُس سے مراد "موت کا دن ہے" کیونکہ موت سے نہ کوئی دوسرے کی مدد کرسکتا ہے اور نہ سفارش کا مقام ہے اور نہ فدیہ دیکر اس

کو روکا جاسکتا ہے۔اس دن سے قیامت سے مراد نہیں ہے کیونکہ اُس دن تو ہم اپنے شیعوں کی مدد کریں گے اعراف پر حضرت محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ اور انکی طاہر اولاد موجود ہوں گے۔ محشر میں جب مومنین پر سختی دیکھیں گے تو ہر زمانے کے نیک اور اخیار شیعوں کو اُن کی نجات کے لیے روانہ کریں گے جو گنہگار شیعوں کو جھپٹ کر اُٹھا کر جنت میں داخل کریں گے۔(بحوالہ تفسیر انوارالنجف جلد ۲ ص ۱۰۴)

آیت القرآن نمبر ۴۹، ۵۰

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾

ترجمہ

(۴۹)اور یاد کرو وہ وقت جب ہم نے تم کو فرعونیوں کی غلامی سے نجات دی جو تمہیں سخت تکلیفیں دیتے تھے تمہارے لڑکوں کو ذبح کرتے تھے۔اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے۔ اور اُس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہاری بڑی آزمائش تھی۔

(۵۰) اور یاد کرو جب ہم نے دریا کو پھاڑ کر تمہارے لیے راستہ بنایا اور اس

طرح تمہیں اُن سے چھٹکارا دلایا اور پھر وہیں فرعونیوں کو تمہاری آنکھوں کے سامنے ڈبو دیا۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۴۹

فراعنہ کی نسل قومِ عاد سے لیکر حضرت موسیٰؑ کے زمانے کے فرعون (جس کا نام ولید تھا) پر ختم ہوئی۔ (تفسیر بیضاوی ۲۷ مطبوعہ لاہور)

مختصر قصہ یہ ہے کہ فرعون مصر نے خواب میں دیکھا کہ بیت المقدس کی طرف سے آگ کا ایک شعلہ بھڑکا جس نے مصر تک کے تمام گھر جلا دیے لیکن بنی اسرائیل کے گھر بالکل محفوظ رہے۔ نجومیوں نے یہ تعبیر بتائی کہ بنی اسرائیل کے گھروں میں سے کسی گھر میں ایک بچہ پیدا ہوگا جو فرعون کی سلطنت کو تباہ و برباد کر دے گا۔ فرعون کو جب اس تعبیر کا علم ہوا تو اُس نے حکم دے دیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہوا اس کو ذبح (قتل) کر دیا جائے۔ مگر خداوند عالم نے حضرت موسیٰؑ کو بنی اسرائیل میں پیدا کر کے خود ان کی حفاظت کی اور فرعون کے گھر میں پہنچا کر اُس کے ذریعے ہی حضرت موسیٰؑ کی پرورش کروائی۔

* محققین نے نتیجہ نکالا کہ خداوندِ عالم، ظالم کو صرف مہلت اور اختیار دیتا ہے۔ اس لیے ظالم اپنے ظلم کا خود ذمہ دار ہوتا ہے اور خدا کا ظالموں کو مسلط کرنا، کبھی بطور سزا اور کبھی بطور امتحان ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل پر خدا نے ظالم فرعون کو بطور امتحان مسلط کیا تھا۔

تفسیر آیت نمبر ۵۰

جب فرعون کے ظلم حد سے بڑھے تو خدا نے بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰؑ کی معیت میں مصر سے نکلنے حکم دیا۔ وہ اپنے آبائی وطن شام و فلسطین روانہ ہوگئے۔ فرعون لشکر جرار لیکر پیچھے آیا۔ یہ لوگ رات کی تاریکی کی وجہ سے راستہ بھول کر دریا کے کنارے آ گئے۔ حضرت موسیٰؑ نے خدا کے حکم سے دریا پر عصا مارا تو دریا پھٹ گیا۔ حضرت موسیٰؑ تمام

بنی اسرائیل کو لیکر دوسرے کنارے پر پہنچ گئے۔ فرعون نے جو دریا کو پھٹا ہوا دیکھا تو مع اپنی تمام فوج کے دریا میں گھس گیا جب درمیان دریا پہنچا تو قدرتِ خدا سے پھٹا ہوا پانی مل گیا اور فرعون مع اپنی فوج غرق ہو گیا۔ (تفسیر صافی ص ۳۱)

* اب یہ کہنا کہ دریا کیسے الگ ہو گیا؟ تو جو خدا دریا و سمندروں کو پیدا کر سکتا ہے جو کہیں زیادہ حیرتناک ہے وہ اسکو جدا بھی کر سکتا ہے اور ملا بھی سکتا ہے۔ علاوہ ازیں بحری زلزلوں سے بھی ایسا ہو سکتا ہے۔

آیت القرآن نمبر ۵۱ تا ۵۴

وَاِذۡ وٰعَدۡنَا مُوۡسٰۤى اَرۡبَعِيۡنَ لَيۡلَةً ثُمَّ اتَّخَذۡتُمُ الۡعِجۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ وَاَنۡتُمۡ ظٰلِمُوۡنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوۡنَا عَنۡكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذۡ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ وَالۡفُرۡقَانَ لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰى لِقَوۡمِهٖ يٰقَوۡمِ اِنَّكُمۡ ظَلَمۡتُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ بِاتِّخَاذِكُمُ الۡعِجۡلَ فَتُوۡبُوۡۤا اِلٰى بَارِئِكُمۡ فَاقۡتُلُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ ؕ ذٰلِكُمۡ خَيۡرٌ لَّكُمۡ عِنۡدَ بَارِئِكُمۡ ؕ فَتَابَ عَلَيۡكُمۡ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ﴿۵۴﴾

ترجمہ

(۵۱) اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰؑ کے لیے چالیس ۴۰ راتوں کی معیاد مقرّر کی۔ مگر تم اُن کے پیچھے ایک بچھڑے کو اپنا معبود بنا بیٹھے۔ اُس وقت تم نے بڑی زیادتی کی تھی۔

(۵۲) مگر اُس پر بھی ہم نے تمہیں معاف کر دیا۔ کہ شاید اَب تم شکر گذار بن جاؤ۔

(۵۳) اور یاد کرو جب ہم نے موسیٰؑ کو کتاب اور فرقان (حق و باطل کی تمیز) عطا کی تا کہ تم ہدایت پا سکو۔

(۵۴) اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا ''تم نے بچھڑے کو اپنا معبود بنا کر اپنے اوپر بڑی زیادتی کی ہے۔ لٰہذا تم لوگ اپنے خالق سے توبہ کرو، اس طرح کہ اپنے آدمیوں کو خود قتل کرو، اسی میں تمہارے خالق کے نزدیک تمہاری بہتری ہے۔ اُس وقت تمہارے خالق نے تمہاری توبہ قبول کر لی۔ بیشک وہ بڑا ہی معاف کرنے والا اور بڑا ہی رحم فرمانے والا ہے۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۵۱

(فرعون سے) آزادی ملنے کے بعد خدا نے بنی اسرائیل کو ایک مکمّل نظامِ زندگی شریعت کی شکل میں دینا چاہا۔ اس لیے حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا گیا کہ تیس ۳۰ دن کو کوہِ طُور پر عبادت اور دعاء میں صَرف کریں۔ پھر دس دن اور بڑھا دیے گئے۔ اس تبدیلی کو اصطلاحِ شریعت میں ''بدی'' کہتے ہیں ''بدٰی'' کہتے ہیں۔ یعنی کسی مصلحت کے سبب کوئی تبدیلی واقع ہونا۔'' اگرچہ اس تبدیلی کا وقوع علم خدا میں پہلے ہی سے ہوتا ہے۔ یہاں مصلحت یہ ہوسکتی ہے کہ

حضرت موسیٰؑ کی قوم کا امتحان لے لیا جائے۔

تفسیر آیت نمبر ۵۴

جو لوگ شرک سے تو الگ رہے مگر برائی کو دیکھتے رہے۔اُن کو یہ سزا دی گئی کہ ان کا جو عزیز شرک کا مرتکب ہوا ہے اسکو اپنے ہاتھوں سے قتل کریں۔(تفسیر صافی ص ۳۲، بلاغی)

* روایت اہل بیت میں ہے کہ بارہ ہزار آدمیوں نے گوسالہ پرستی نہیں کی تھی اور چھ لاکھ نے کی تھی ستر ہزار آدمی جب قتل کر دیئے گئے تو باقی مشرکوں نے محمدؐ و آلِ محمدؐ کا واسطہ دیا اللہ نے بقایا مشرکوں کی دعاء قبول کر لی تو وہ قتل سے بچ گئے۔(تفسیر انوار النجف جلد ۲ ص ۱۰۹)

آیت القرآن نمبر ۵۵،۵۶۔۵۷

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

ترجمہ

(۵۵) اور وہ وقت بھی یاد کرو جب تم نے موسیٰ سے کہا تھا کہ ہم تو تمہاری بات ہرگز نہ مانیں گے جب تک کہ اللہ کو اپنی آنکھوں سے ظاہر بظاہر نہ دیکھ لیں۔ اس پر تمہارے دیکھتے دیکھتے ایک زبردست بجلی نے تمہیں آن پکڑا۔

(۵۵) اور وہ وقت بھی یاد کرو جب تم نے موسیٰ سے کہا تھا کہ ہم تو تمہاری بات ہرگز نہ مانیں گے۔ جب تک کہ اللہ کو اپنی آنکھوں سے ظاہر بظاہر نہ دیکھ لیں۔ اس پر تمہارے دیکھتے دیکھتے ایک زبردست بجلی نے تمہیں آن پکڑا۔

(۵٦) پھر تمہارے مرنے کے بعد ہم نے تمہیں دوبارہ زندہ کر دیا، تا کہ اب تو تم شکر گذار بن جاؤ۔

(۵۷) اور ہم نے تم پر اَبر کا سایہ کیا ''من وسلویٰ'' (تازہ پرندوں کا گوشت وحلوا) تم پر اُتارا تا کہ تم اُن پاک چیزوں کو کھاؤ جو ہم نے تمہیں بخشی ہیں۔ مگر اُنہوں نے اِس (ناشکری) سے ہمارا کچھ نقصان نہ کیا، بلکہ وہ حقیقت میں برابر خود اپنے ہی اوپر ستم ڈھاتے رہے۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۵۵

خدا کے جلال وغضب کا مظاہرہ یہ بتا رہا ہے کہ خدا کو دیکھنے کا مطالبہ خدا کی عظمت اور شان کے کس قدر

خلاف تھا۔ ثابت ہوا کہ خدا کو دیکھنا محال ہے۔ عظمت خدا کے منافی ہے۔ تو خدا کو نہ تو دنیا میں دیکھا جا سکتا ہے۔ نہ آخرت میں کیونکہ قیامت کے آنے سے خدا کی عظمت میں کوئی کمی واقع نہ ہوگی۔ اگر آخرت میں خدا کا دیدار ممکن ہوتا تو خدا جواب میں یہ فرماتا کہ ''ابھی صبر کرو'' جنت میں دیدار ہو جائے گا۔

حقیقت میں کسی چیز کو دیکھنا اُسی وقت ممکن ہے جب وہ کسی سمت میں مقید ہو'' زمان و مکان میں مقید ہو جسم رکھتا ہو۔ اور خدا ان تمام باتوں سے بلند اور منزّہ ہے۔

تفسیر آیت نمبر ۵۶

معلوم ہوا کہ وہ عذاب تباہ کرنے والا عذاب نہ تھا بلکہ عذابِ تنبیہ تھا۔ جیسے بیماری، بلائیں وغیرہ۔

تفسیر آیت نمبر ۵۷

اہل لغت نے لکھا ہے کہ ''مَنّ'' ایک میٹھی چیز تھی اور شبنم کی طرح درختوں پر گرتی تھی اور بہت لذیذ تھی۔ اور ''سَلوٰی'' بٹیر کی شکل کا ایک چھوٹا سا پرندہ تھا۔

آیت القرآن نمبر ۵۸ تا ۶۰

وَاِذۡ قُلۡنَا ادۡخُلُوۡا هٰذِهِ الۡقَرۡيَةَ فَكُلُوۡا مِنۡهَا حَيۡثُ شِئۡتُمۡ رَغَدًا وَّادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا وَّقُوۡلُوۡا حِطَّةٌ نَّغۡفِرۡ لَـكُمۡ خَطٰيٰكُمۡ‌ؕ وَسَنَزِيۡدُ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا قَوۡلًا غَيۡرَ الَّذِىۡ قِيۡلَ لَهُمۡ فَاَنۡزَلۡنَا عَلَى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا رِجۡزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوۡا

يَفْسُقُوْنَ﴿۵۹﴾ وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا
اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا
عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا
وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ
مُفْسِدِيْنَ﴿۶۰﴾

ترجمہ

(۵۸) پھر یاد کرو جب ہم نے کہا تھا کہ اس بستی میں داخل ہوجاؤ اور یہاں خوب مزے سے کھاؤ پیو، مگر بستی کے دروازے سے سجدۂ (شکر) کرتے ہوئے جانا (تا کہ تکبّر اور نافرمانی نہ کرنے لگو) اور کہتے جانا، گناہوں کی توبہ، تو ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے اور اچھے کام کرنے والوں کو بہت زیادہ عطا کریں گے۔

(۵۹) مگر اُن ظالموں نے اُس بات کے بجائے جو اُنہیں بتائی گئی تھی ایک دوسری بات بدل کر کہہ دی۔ تو ہم نے بھی آخر کار ظلم کرنے والوں پر آسمان سے عذاب نازل کیا۔ اِس لیے کہ وہ برابر نافرمانی ہی کرتے رہتے تھے۔

(۶۰) اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی کی دعاء مانگی تو ہم نے کہا کہ آپ اپنا عصا چٹان پر ماردیں۔ فوراً اُس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ اس طرح کہ ہر قبیلے نے یہ تک جان لیا کہ کونسی جگہ اُس کے پانی لینے کی ہے۔ (تو ہم نے ہدایت کی

کہ) اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ پیو اور زمین پر فساد (خرابیاں) نہ پھیلاتے پھرو۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۵۸

''حطّہ'' کے معنی گرانے کے ہیں مطلب یہ تھا کہ ''اے خدا! ہمارے گناہوں کا بوجھ گرادے، معاف کردے''۔ بنی اسرائیل نے حطّہ کہنے کے بجائے ''حنطہ'' یعنی، گندم، کہا (یہ اُن کی فطرت تھی کہ حکم کچھ تھا، کہا کچھ)۔

تفسیر آیت نمبر ۵۹

معلوم ہوا کہ وہ گناہوں کی معافی کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے، پیٹ بھرنا اُن کا اصل مقصد تھا۔ پھر خدا کا یہ فرمانا کہ سزا اس لیے دی گئی کہ ''وہ برابر نافرمانی کرتے رہتے تھے'' ظاہر ہوا کہ اُن کا یہ فعل کوئی وقتی شرارت نہ تھی بلکہ اُن کا طریقہ ہی یہ تھا۔

آیت القرآن نمبر ٦١

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا

مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿٦١﴾

ترجمہ

(٦١) اور یاد کرو جب تم نے کہا۔ اے موسیٰؑ! ہم ایک ہی طرح کے کھانے پر صبر نہیں کر سکتے۔ اپنے پروردگار سے دُعاء کرو کہ ہمارے لیے زمین کی پیداوار، ساگ، ترکاریاں، گیہوں، لہسن، پیاز، دال وغیرہ پیدا کرے (تو موسیٰ نے) کہا کہ ''کیا تم ایک بہتر چیز کے بدلے پست چیزیں لینا چاہتے ہو؟'' اچھا تو پھر کسی شہر میں جا اُترو۔ وہاں تمہیں جو مانگنے ہو سب کچھ مل جائے گا۔ آخر کار اُن پر ذلّت اور محتاجی کی مار پڑی، اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے۔ یہ اس لیے ہوا کہ وہ اللہ کی نشانیوں کا برابر انکار کرتے رہتے تھے اور پیغمبرؑوں کو ناحق قتل کر ڈالتے تھے۔ یہ نتیجہ تھا اُن کی نافرمانیوں، برابر ظلم وستم کرنے اور حد سے بڑھ جانے کا۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ٦١

توریت میں ہے: ''اور بنی اسرائیل بھی پھرے اور روتے ہوئے بولے پس دے تو ہمیں گوشت کھانے کو دے۔ ہم کو تو وہ مچھلی یاد آتی ہے جو ہم مفت مصر میں کھاتے تھے اور کھیرے اور خربوزے اور وہ گندنا، وہ پیاز، وہ لہسن۔ اُن پر تو اب ہماری جان خشک ہو چلی۔ یہاں ہمارے سامنے کچھ بھی تو نہیں ہے مگر یہ ''مَنّ'' (گنتی ۱۱، ۴، ٦)

* اصل میں بنی اسرائیل سزا کے طور پر صحرا الوزدی پر مجبور کیے گئے تھے، تو سزا اُٹھاتے ہوئے نخرے دکھانا کتنی بے موقع بات تھی۔ جو مل رہا تھا اُسے غنیمت سمجھتے۔ لیکن یہ لوگ فطری طور پر شرارت پسند واقع ہوئے ہیں۔

یاد رہے کہ قرآن نے کہیں نہیں کہا کہ یہودیوں کو حکومت کبھی نہ ملے گی۔ صرف ذلت اور محتاجی کا ذکر ہے۔

سودخور ظالم قوم حکومت حاصل کرنے کے بعد بھی اپنی پست عادات کی وجہ سے ذلیل و خوار ہی رہتی ہے۔

آیت القرآن نمبر ٦٢ تا ٦٤

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى
وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ
صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ
عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ
وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ
وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ
بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ

لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٦٤﴾

ترجمہ

(۶۲) یقین جانو کہ جو لوگ (نبیؐ خاتم پر) ایمان لائے ہوں یا یہودی، عیسائی یا صابی ہوں، جو بھی اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان لائے گا اور نیک کام بھی کرے گا اُس کا اَجر اُس کے پروردگار کے پاس (محفوظ) ہے اور اُس کے لیے کوئی خوف اور رنج نہ ہوگا۔

(۶۳) اور یاد کرو جب ہم نے (کوہِ) طُور کو تم پر اُٹھا کر تم سے پختہ عہد لیا کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اُسے مضبوطی سے تھامنا اور جو کچھ اس (کتاب) میں ہے اُسے یاد رکھنا۔ شاید اس طرح تم تقویٰ کی راہ اختیار کرسکو۔[۱]

(۶۴) مگر تم اس کے بعد بھی اپنے عہد سے پھر گئے۔ پھر بھی اگر اللہ کا خاص فضل وکرم اور رحمت کا سلوک تم پر نہ ہوتا تو تم سخت گھاٹا اُٹھانے والوں میں سے ہوتے۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۶۲

خداوندِ عالم نے سارے مذاہب کے لیے ایک ہی معیارِ نجات بتایا ہے۔ آخرت کی نجات کا دارومدار ایمان باللہ، آخرت پر یقین اور عمل صالح پر ہے''۔ ایسے لوگوں کا اجر وثواب اللہ کے نزدیک ثابت ہے۔ وہ قیامت کے دن خوف حزن سے محفوظ رہینگے۔

---

[۱] یعنی: (فرائض کو ادا کرو اور برائیوں سے بچو۔)

*بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ آیت اُن لوگوں کے لیے ہے جو قبلِ بعثتِ پیغمبر آخرالزمان حضرت محمدؐ سے ''پہلے یعنی'' انبیاءِ ماسبق کے دین پر تھے۔ اور جناب رسالت مآبؐ پر غائبانہ ایمان رکھتے تھے۔ پھر اُن میں سے کچھ لوگوں نے حضور اکرمؐ کا زمانہ بھی دیکھا اور ''ایمان'' بھی لائے۔ جیسے: سلمانؓ اور ابوذرؓ وغیرہ اور کئی آنحضرتؐ کی بعثت سے پہلے انتقال کر گئے۔ (تفسیر انوار النجف جلد ۲ ص ۱۱۹)

آیت القرآن نمبر ۶۵، ۶۶، ۶۷

وَلَقَدۡ عَلِمۡتُمُ الَّذِیۡنَ اعۡتَدَوۡا مِنۡکُمۡ فِی السَّبۡتِ فَقُلۡنَا لَهُمۡ کُوۡنُوۡا قِرَدَةً خٰسِئِیۡنَ ﴿۶۵﴾ فَجَعَلۡنٰهَا نَکَالًا لِّمَا بَیۡنَ یَدَیۡهَا وَمَا خَلۡفَهَا وَمَوۡعِظَةً لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۶۶﴾ وَاِذۡ قَالَ مُوۡسٰی لِقَوۡمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تَذۡبَحُوۡا بَقَرَةً ؕ قَالُوۡۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ اَنۡ اَکُوۡنَ مِنَ الۡجٰهِلِیۡنَ ﴿۶۷﴾

ترجمہ

(۶۵) اور تمہیں اپنی قوم کے اُن لوگوں کا قصّہ تو معلوم ہی ہے جنہوں نے ''سبت'' (یعنی ہفتے کے دن مچھلی شکار نہ کرنے) کا قانون توڑا تھا۔ ہم نے حکم دے دیا کہ ذلیل بندر بن جاؤ۔

(۶۶) اس طرح ہم نے اُن کے انجام کو اُس زمانے کے لوگوں اور بعد میں آنے والی

نسلوں کے لیے عبرت (سبق)، اور فکرِ نجات رکھنے والوں کے لیے (سامانِ) نصیحت بنا دیا۔

(۶۷) اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تمہیں ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیتا ہے، تو اُنہوں نے کہا کہ آپ ہم سے مذاق کرتے ہیں؟ موسیٰؑ نے کہا ''میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں کہیں جاہلوں میں سے ہو جاؤں۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۶۵

''سَبْتِ''، یعنی ہفتہ کا دن یہودیوں کے لیے عبادت اور ذکر الٰہی کے لیے مخصوص تھا۔ اس دن کسی اور کام کی ممانعت تھی۔ مگر یہودی اس حکم کی خلاف ورزی کرتے تھے اس لیے ان کو خدا نے بندوں کی شکل میں مسخ کر دیا تھا۔

*تفسیر بُرہان میں حضرت علیؑ ابن الحسینؑ سے روایت ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک قوم شہر ''ایلہ'' جو دریا کے کنارے آباد تھا، میں رہتی تھی اور باوجود ممانعت کے ہفتہ کے روز مچھلی کا شکار کرتی تھی۔ وہ لوگ تعداد میں ستر ہزار تھے شہر کے باقی دس ہزار آدمی ان کو منع کرتے تھے کہ ایسا نہ کرو ورنہ عذاب خدا میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ لیکن وہ لوگ نہ مانے تو ان دس ہزار ناصح لوگوں نے شہر سے ہجرت کی، اسی رات ستر ہزار نافرمانوں کو اللہ نے بندر کی شکلوں میں مسخ کر دیا تھا.....الخ

* روایات میں اس مقام کا نام جہاں یہ عذاب آیا ''ایلہ'' ہے جو دریا کے کنارے تھا۔ (طبرسی) اسی جگہ تورات میں ''ایلات کہا گیا ہے جو فلسطین کے جنوب میں عرب کی شمالی سرحد پر (قدیم علاقہ روم میں) بحرِ قلزم پر لبِ سائل واقع ہے۔ آجکل اس کو ''عقبہ'' کہتے ہیں۔

* انسانوں کے بندر بن جانے کو ''تناسخ''، نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ روح نکل کر کسی دوسرے جسم میں نہیں گئی بلکہ ان کے جسموں کی شکلیں بدل گئیں۔ اسے ''قلب ماہیت'' تو کہہ سکتے ہیں لیکن ''تناسخ''، نہیں کہہ سکتے۔

تفسیر آیت نمبر ٦٧

حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: ''بنی اسرائیل کے ایک نیک آدمی کو اُس کے ایک عزیز نے قتل کر ڈالا اور خود ہی اُس کے خون کا دعودار بن بیٹھا۔ خدا نے اُس قاتل کا پتہ لگانے کے لیے گائے کے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ (طبرسی)

آیت القرآن نمبر ٦٨ تا ٧٠

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ط قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ
اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ط عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ط
فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٨﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ
لَّنَا مَا لَوْنُهَا ط قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ لا
فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ
يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ لا اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ط وَاِنَّآ اِنْ
شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿٧٠﴾

ترجمہ

(٦٨) تو بولے، اچھا اپنے رَب سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمیں اُس گائے کی کچھ

تفصیل بتائے کہ وہ کیسی ہو؟ (موسیٰ نے) کہا ''وہ فرماتا ہے کہ وہ گائے ایسی ہو کہ جو نہ بوڑھی ہی ہو نہ بچھیا۔ بلکہ درمیانی عمر کی ہو۔ لہٰذا اب جو حکم دیا جارہا ہے اُسے پورا کرو'' (بجالاؤ)

(٦٩) وہ پھر کہنے لگے، ہماری طرف سے اپنے رب سے عرض کیجئے کہ وہ ہمیں یہ بھی بتا دے کہ اُس کا رنگ کیسا ہو؟ (موسیٰ نے) کہا، وہ فرماتا ہے کہ ''زرد رنگ کی گائے ہونی چاہیے، جس کا رنگ ایسا شوخ ہو کہ دیکھنے والوں کا دل خوش ہو جائے۔''

(٧٠) پھر کہنے لگے اپنے پروردگار سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمارے لیے مزید توضیح کرے۔ اس لیے کہ گائیں تو ہمیں ملتی جلتی نظر آتی ہیں۔ اللہ نے چاہا تو ہم اُس کا پتہ پالیں گے۔

تفسیر

* یہ گائے ایک جوان صالح کی تھی۔ خدا کو اُسے مالی نفع پہنچانا مقصود تھا۔ (صافی) بظاہر قتل کا پتہ لگانے سے گائے کے ذبح کرنے کا کوئی تعلق نہ تھا، اس لیے قوم والے خوب ہنسے، اس لیے کہا، کونسی گائے؟ کیسی گائے؟ کس رنگ کی؟ کس نسل کی؟ وغیرہ قتل کے مقدمے کے موقع پر ایسا مذاق جہالت کے سوا کیا تھا۔ اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''پناہ بخدا کہ میں جاہلوں میں سے ہو جاؤں''۔ یعنی ایسے مذاق کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔

آیت القرآن نمبر ۷۱ تا ۷۳

قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِیْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِی الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِیَةَ فِیْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ

جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَاِذْ
قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ
تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ
اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾

ترجمہ

(۷۱) (موسیٰ نے) جواب دیا"۔(اللہ) فرماتا ہے کہ وہ ایسی گائے ہے جس سے خدمت نہیں لی جاتی، وہ نہ زمین جوتتی ہے، نہ پانی کھینچتی ہے۔صحیح سالم اور بے داغ ہے۔"اس پر وہ پکار اُٹھے کہ ہاں، اب آپ نے ٹھیک پتہ بتا دیا۔پھر اُنہوں نے اُسے ذبح کیا، ورنہ وہ ایسا کرتے معلوم تو نہ ہوتے تھے۔

(۷۲) اور جب تم نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا، پھر تم اُس کے بارے میں جھگڑ رہے تھے اور اللہ کو اس بات کو ظاہر کرنا منظور تھا جسے تم چھُپا رہے تھے۔

(۷۳) تو ہم نے کہا کہ گائے کا ایک ٹکڑا لے کر مقتول کی لاش پر مارو (دیکھو) اس طرح اللہ مُردوں کو زندہ کرتا ہے۔اور تم کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۷۱

بنی اسرائیل میں ایک بہت خوبصورت عورت تھی اُسے ایک نیک مالدار آدمی نے شادی کا پیغام دیا اُس آدمی کے ایک چچازاد بھائی نے بھی اُسی عورت کو اپنی شادی کا پیغام دیا۔لیکن عورت نے اُس نیک آدمی کا پیغام منظور کرلیا اور اُس سے شادی کرلی۔اس پر اُس نیک آدمی کے چچازاد بھائی نے موقع پا کر اُسے قتل کر دیا اور اُس کی لاش محلے کی مسجد کے دروازے پر ڈال دی اور صبح کو خود ہی اُس کے خون کا دعویدار بن گیا۔خدا نے حکم دیا کہ ایک گائے کو ذبح کر کے اُس کے گوشت کا ٹکڑا مقتول کی لاش پر مارا جائے گا تو مقتول زندہ ہو کر بتا دے گا کہ اُس کا قاتل کون ہے؟ بنی اسرائیل نے گائے کے سلسلے میں کٹ حجتیاں کیں کیونکہ وہ ایسا کرنا نہ چاہتے تھے۔ بالآخر ایسا ہی کیا اور قاتل کا پتہ چل گیا۔(طبری، صافی ص ۲۴)

* وہ گائے ایک ایسے نوجوان کی تھی جو محمد وال محمدؐ پر درود بھیجتا تھا جس کی برکت سے اللہ نے اُسے گائے کی قیمت میں پچاس لاکھ دینار بنی اسرائیل سے دلائے''تفسیر برہان''میں ہے کہ جب مقتول زندہ ہو گیا تو اُسے اپنے دو قاتلوں کی نشاندہی کی۔اُن کو قصاص میں قتل کر دیا گیا مقتول نے جب دُرود کی برکت دیکھی تو محمد وآلِ محمدؐ پر دورد پڑھ کر اپنی طولِ حیات کی دعاء مانگی تو وحی کے ذریعے اسکی اصل حیات میں ستر برس کا اضافہ کر دیا گیا جب بنی اسرائیل نے دورد پڑھ کی دعاء کی تو اُنہیں گائے کی ادا کردہ قیمت سے دوگنی دولت عطا فرمائی۔(انوار النجف ج ۱۲۵)

آیت القرآن نمبر ۷۴، ۷۵

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةًؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُؕ

وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾ أَفَتَطْمَعُوْنَ أَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

ترجمہ

(۷۴) پھر (ایسی نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی) تمہارے دل سخت ہی رہے، پتھروں کی طرح سخت، بلکہ اُن سے بھی زیادہ کرخت۔ کیونکہ پتھروں میں تو ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن میں سے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں اور اُن میں ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو پھٹ جاتے ہیں تو اُن میں سے پانی نکل آتا ہے۔ اور اُن میں ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جو خدا کے خوف سے لرز کر گر پڑتے ہیں۔ اور جو کچھ بھی تم کرتے ہو اللہ اُس سے بے خبر نہیں۔

(۷۵) کیا تم اُن لوگوں سے یہ توقع رکھتے ہو کہ یہ تمہارے کہنے پر ایمان لے آئیں گے؟ حالانکہ ان میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں کہ جو اللہ کا کلام سنتے ہیں اور پھر خوب سمجھ لینے کے بعد بھی اُس میں جان بوجھ کر تحریف (ردّ و بدل) کر دیتے ہیں۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۷۴

روایت اہل بیت میں ہے کہ بنی اسرائیل کے کچھ لوگوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپؐ کی نبوت کی تصدیق کے بارے میں عرض کیا کہ اگر آپؐ کی تصدیق پہاڑ کر دے تو ہم مان لیں گے۔ پس حضورؐ اکرم ان کو لیکر ایک پہاڑ کے پاس پہنچے اور اُس سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''اے پہاڑ! بحق محمد و آلہ الطیبین جن کے نام کی برکت

سے حالات عرش کا بوجھ ہلکا ہوا، آدمؑ کی توبہ قبول ہوئی اور جنکی بدولت ادریسؑ کو جنت میں اُٹھالیا گیا تو محمدؐ کی گواہی دے"۔ پس اُس پہاڑ سے پانی جاری ہوگیا اور اُس سے ندا آئی اشھد انک رسول رب العالمین۔" (بر محمدؐ دورد پڑھیں:) اللھم صلی علی محمدٍ والِ محمدٍ از (تفسیر برہان بحوالہ انوار النجف ج ۲ ص ۱۲۷)

آیت القرآن نمبر ۷۶ تا ۷۸

وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعْضُھُمْ اِلٰی بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَھُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ لِیُحَآجُّوْکُمْ بِہٖ عِنْدَ رَبِّکُمْ ط اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾ اَوَلَا یَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَمِنْھُمْ اُمِّیُّوْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ الْکِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِیَّ وَاِنْ ھُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾

ترجمہ

(۷۶) اور جب ایمان داروں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی تو ماننے والے ہیں۔ اور جب آپس میں ایک دوسرے سے اکیلے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ تم مسلمانوں کو وہ باتیں کیوں بتاتے ہو جو (معلومات) اللہ نے تم پر (توریت میں) ظاہر فرمائی ہیں۔ تاکہ یہ (مسلمان) خود تمہارے خلاف خدا کے سامنے حجت پیش کریں؟ آخر تم لوگ

عقل سے کام کیوں نہیں لیتے۔

(۷۷) کیا وہ لوگ اتنا بھی نہیں جانتے کہ وہ لوگ جو کچھ چھپاتے ہیں یا ظاہر کرتے ہیں، اللہ کوتو سب کچھ معلوم ہی ہے؟

(۷۸) اور اُن میں کچھ ایسے بھی اَن پڑھ لوگ ہیں جو کتاب کا تو کچھ علم نہیں رکھتے، بس اپنی بلند و بالا بے بنیاد توقعات (آرزوؤں) کو لیے بیٹھے ہیں اور محض خام خیالیوں یا بے بنیاد وہم و گمان میں مبتلا ہیں۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۷۸

علماء کی تقلید

تفسیر مجمع البیان میں ہے کہ کتاب کے معانی کی معرفت حاصل کرنا ضروری ہے صرف پڑھ لینا کافی نہیں اور علماءِ پر کتاب کی حجت قائم ہے۔

*حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا ''عوام یہود کو معلوم تھا کہ اُن کے علماء جھوٹ بولتے ہیں، حرام کھاتے ہیں، رشوت لیتے ہیں، اور رشتہ داروں، سفارشوں کو بناءِ پر احکام خدا کو تبدیل کر دیتے ہیں، لوگوں سے ناراض ہو کر اُن کو حقوق سے محروم کر دیتے ہیں، اور اگر اُن سے راضی ہوں تو اُن کو ناحق اموال دلواتے ہیں وغیرہ لہٰذا اللہ نے اس طرح کے علماءِ کی اندھی تقلید کی مذمت فرمائی ہے۔ اسی طرح ہمارے عوام بھی اگر اپنے علماءِ کو فاسق، کنبہ پرور، مالِ دنیا کے طالب اور حرام خور پائیں، کہ جس سے راضی اُسے ناحق مال دلوائیں اور جس سے ناراض ہوں۔ اُس کو اُس کے جائز حقوق سے بھی محروم کر دیں غرضیکہ بد دیانت ہوں، تو ایسے علماءِ کی تقلید کرنے میں ہمارے عوام اور یہود کے عوام میں کوئی فرق نہیں ہے۔ لیکن ''فقہاءِ میں سے جو شخص اپنے نفس کو حرام سے بچانے والا اپنے دین کا محافظ، خواہشِ نفس کا مخالف اور اپنے مولا کے فرمان کا مطیع ہو پس عوام کے لیے اُس کی تقلید کرنا جائز ہے۔'' (یہ طویل روایت ہے... مختصر نقل کر دی

گئی ہے۔انوارالنجف جلداول کے مقدمہ میں مکمل روایت موجود ہے۔(ازتفسیرامام حسن عسکریؑ)

آیت القرآن نمبر ۷۹،۸۰

فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ يَكۡتُبُوۡنَ الۡكِتٰبَ بِاَيۡدِيۡهِمۡ ثُمَّ يَقُوۡلُوۡنَ هٰذَا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ لِيَشۡتَرُوۡا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ فَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا كَتَبَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ وَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا يَكۡسِبُوۡنَ ۝۷۹ وَقَالُوۡا لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدَةً ؕ قُلۡ اَتَّخَذۡتُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ عَهۡدًا فَلَنۡ يُّخۡلِفَ اللّٰهُ عَهۡدَهٗۤ اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝۸۰

ترجمہ

(۷۹) پس وائے ہو اُن لوگوں پر جو اپنے ہاتھوں سے جعلی کتاب لکھتے ہیں، پھر لوگوں سے کہتے پھرتے ہیں کہ یہ خدا کے ہاں سے (آئی) ہے۔تاکہ اُس کے بدلے میں تھوڑا سا معاوضہ حاصل کرلیں۔پس افسوس ہے اُن پر کہ وہ ایسی کمائی کرتے ہیں جو اُن کے لیے موجبِ ہلاکت ہے۔

(۸۰)اور(اس پر) کہتے ہیں کہ ہمیں دوزخ کی آگ گنتی کے چند دنوں کے سوا چھوئے گی ہی نہیں۔ان سے پوچھو،کیاتم نے اللہ سے کوئی عہد نامہ لکھوالیا ہے جس کی خلاف

ورزی وہ کبھی نہیں کریگا؟ یا تم خود بے سمجھے بوجھے (ایسی بات) اللہ کے ذمے ڈال کر کہہ دیتے ہو۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۷۹

توریت میں تحریف اب کوئی اختلافی یا نزاعی مسئلہ نہیں۔ دوست ودشمن سب ہی کو اب یہ تسلیم ہو چکا ہے کہ یہ کلام الٰہی نہیں، اس کے دوست زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ خدارسیدہ انسانوں کی تصنیف ہے، کسی جامد سے جامد یہودی میں اب یہ ہمت باقی نہیں کہ توارت کو قرآن مجید کی طرح تنزیل لفظی قرار دے..... خدا کی جانب اس کا انتساب صرف مجازاً یا بالواسطہ ہے..... اسی لیے بائبل پر تنقید اب ایک مستقل فن کی صورت میں تقسیم ہو چکا ہے۔ ہر شاخ کے الگ الگ ماہرین پیدا ہورہے ہیں۔ عرب کے امی کے لائے ہوئے کلام کا یہ اعجاز ہے کہ اس نے تیرا سو سال پہلے ہی بائبل کو محرف اور نا قابلِ اعتماد قرار دے دیا تھا۔ (ماجدی)

آیت القرآن نمبر ۸۱، ۸۲

بَلٰی مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـــَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٨١﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٨٢﴾

ترجمہ

(۸۱)(آخر تمہیں دوزخ کی آگ کیوں نہ چھوئے گی)؟ہاں (حقیقت یہ ہے کہ) جو بھی بُرا کام کریگا، اور اُس کے گناہوں نے اُسے چاروں طرف سے گھیر لیا ہوگا یا اُس کے گناہ اُس پر حاوی ہوجائینگے تو ایسے ہی لوگ تو دوزخ والے ہونگے جو وہاں ہمیشہ ہمیشہ پڑے رہینگے۔

(۸۲)اور جو لوگ ایمان لائیں گے اور اچھے اعمال بجالائیں گے وہی لوگ جنتی ہیں اور وہ وہاں پر ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۸۱

''مَنۡ کَسَبَ سَیِّئَۃً'': روایاتِ اہل بیتؑ میں ہے کہ سیئۃ سے مراد'' انکار ولایت علی ابن ابی طالب ہے۔ جناب رسالت مآبؐ سے ''اصحاب والنار'' کے بارے میں سوال کیا گیا تو آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا'' وہ جو علیؑ سے جنگ کریں'' اور حضرت علیؑ سے فرمایا:'' یاعلی حربك حربي وسملك سلمي '' اے علیؑ! تیرے ساتھ لڑائی، میرے ساتھ لڑائی ہے اور تیرے ساتھ صلح میرے ساتھ صلح کے مترادف ہے۔'' (تفسیر انوار النجف جلد ۲ ص ۱۲۹۔۱۳۰)

* خدا کے ہاں ہمارے گھڑے ہوئے نظریات اور بنائے ہوئے فرقے اسی طرح کھوٹے قرار پائیں گے جیسے کھوٹے سکے یا ایک ملک کے سکے جو دوسرے ملک میں کھوٹے ہوجاتے ہیں۔ اللہ کے ہاں اُسی کے بنائے ہوئے نیکیوں کے سکے چلیں گے۔ اور خدا ورسول اور آخرت پر ایمان بھی ایک ایسی بنیادی نیکی ہے جس پر نجاتِ آخرت کا انحصار ہے۔ مگر اعمالِ نیک کے بغیر ایمان کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ نجات کا اصل راز ایمان اور عملِ صالح

میں مضمر ہے خواہ وہ کسی نسل وگروہ سے تعلق رکھتا ہے جیسا کہ آیت ۷۲ میں بیان کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ''ان اکرمکم عنداللہ انفسکم ''(بیشک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ متقی ہی مکرم ہے)

*حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا: ''برائی جو کسی شخص کا احاطہ کرلیتی ہے۔ وہ ایسی برائی ہے جو انسان کو دین سے خارج کردے یا محمدؐ آلِ محمدؐ کی محبت سے ہٹادے یا خوفِ خدا کو اُس کے دل سے نکال دے یا محمدؐ مصطفٰی کی نبوت اور اُن کے جانشینوں کی ولایت سے انکار کرادے۔ ایسی برائیاں تمام اعمال کو باطل کردیتی ہے۔ (تفسیر صافی ص ۷۳)(اسورہ ۴۹ حجرات آیت ۱۳)

آیت القرآن نمبر ۸۳

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ قف وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ط ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

ترجمہ

(۸۳) اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے (پختہ) عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، ماں باپ کے ساتھ رشتے داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سُلوک کرنا، لوگوں سے (ہمیشہ) اچھی طرح (نرمی سے) بھلی بات کرنا اور نماز کو قائم

رکھنا اور زکوٰۃ دیتے رہنا مگر چند لوگوں کے سوا تم سب کے سب اپنے عہد سے پھر گئے۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۸۳

''میثاق'' اہل کتاب کی اصطلاح میں آج تک بائیبل کو''عہد نامہ'' تورات کو'عہد قدیم' اور انجیل کو' عہد جدید' کہا جاتا ہے۔ آج بھی ایسی باتیں تورات میں موجود ہیں۔مثلاً۔ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو' مثلاً فرمایا:''میرے حضور تیرے لیے دوسرا خدا نہ ہووے۔تو اپنے لیے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت ....مت بنا۔ تو اُن کے آگے اپنے کو مت جھکا۔اور نہ اُنکی عبادت کر۔''(خروج ۲۰:۲۔۵)اور استثناء ۵:۷:۸)

والدین کے بارے میں لکھا ہے کہ تو اپنے ماں باپ کو عزت دے۔(خروخ ۲۔۱۲)(استثناء ۵۔۱۶)

رشتہ داروں کے بارے میں فرمایا:

اور اپنے مفلس بھائی کی طرف اپنے ہاتھ مت بند کیجیو، بلکہ تو اس پر اپنا ہاتھ کشادہ رکھیو۔(استثناء ۱۵:۸۔۹)

نیز فرمایا: اور مسافر اور یتیم اور بیوہ جو تیرے پھاٹکوں کے اندر آویں تو کھاویں اور سیر ہوویں۔

(استثناء ۱۴۔۲۹)

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جس طرح تم خود اپنے سے گفتگو پسند کرتے ہو اسی طرح دوسروں سے گفتگو کرو۔(تفسیر صافی بحوالہ کافی وتفسیر عیاشی)

*حضرت امام موسیٰ کاظمؑ نے فرمایا: جہنم میں ہمیشہ کے لیے کفار ومشرکین کو رکھا جائے گا کیونکہ خدا نے فرمایا ہے کہ وہ مشرک کو کبھی نہیں بخشتا۔کیونکہ کافر اور مشرک کی نیت بھی یہی ہوتی ہے کہ وہ ہمیشہ کافر یا مشرک رہے گا۔اسی لیے ان کو ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہنا ہوگا۔(تفسیر الوامع القرآن ص ۱۶)

*حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا: والدین کے ساتھ نیکی یہ ہے کہ (۱) اُنکا ادب کیا جائے (۲) جس چیز کی اُن کو ضرورت ہو اُن کے مانگے بغیر فراہم کی جائے خواہ وہ مالدار ہی کیوں نہ ہوں (۳) اُن کو کچھ مانگنے کی تکلیف بھی نہ دو۔(۴) اُن کی آواز پر اپنی آواز کو بلند نہ کرو۔ (د) اُن کے آگے نہ چلو(۶) اُن کی طرف تیز نگاہ سے نہ

دیکھو(۷)اگر ماریں تو کہو خدا آپ کو بخش دے اور اگر تنگ کریں تو اُف تک نہ کہو‘‘۔

* جو شخص اپنے والدین کے عزیزوں کے حقوق ادا کریگا۔ اُس کو جنت میں ایک ہزار درجے عطا ہوں گے (الحدیث)بحار جلد ۷ ص ۹۷)تفسیر بُرہان ا ص ۸۷)تفسیر صافی ۷ ۳)

آیت القرآن نمبر ۸۴

وَاِذۡ اَخَذۡنَا مِیۡثَاقَکُمۡ لَا تَسۡفِکُوۡنَ دِمَآءَکُمۡ وَلَا تُخۡرِجُوۡنَ اَنۡفُسَکُمۡ مِّنۡ دِیَارِکُمۡ ثُمَّ اَقۡرَرۡتُمۡ وَاَنۡتُمۡ تَشۡهَدُوۡنَ﴿۸۴﴾

ترجمہ

(۸۴)اور پھر ہم نے تم سے (مضبوط) عہد لیا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کا خون تو نہ بہانا، اور نہ تم ایک دوسرے کو گھر سے بے گھر کرنا۔ تم نے اس کا بھی اقرار کرلیا تھا جس پر تم خود گواہ ہو۔

تفسیر آیت نمبر ۸۳

’’یتمیٰ‘‘ سے مراد:

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا:’’آگاہ ہو کر ہمارے شیعوں میں سے جو شخص ہمارے علوم کا عالم ہو اور ہماری شریعت سے جاہل کو واقف کرے جو ہماری زیارت سے محروم ہے، چونکہ وہ جاہل اُس عالم کی گود میں (ہمارا) یتیم ہے پس وہ عالم جو اُس کی ہدایت کرے اور ہماری شریعت کی اُس کی تعلیم دے، وہ رفیق

اعلیٰ میں ہمارے ساتھ ہوگا۔(رفیق اعلیٰ سے مرادِ مقامِ جنت ہے) آپ نے فرمایا کہ یہ حدیث میرے آباءِ طاہرین نے جناب رسول پاکؐ سے بیان فرمائی۔(انوارالنجف)(ملخص)

* امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا:''جو شخص ہمارے شیعوں میں سے ہماری شریعت کا عالم ہو وہ ہمارے کمزور شیعوں کو ان کی جہالت کی تاریکی سے نکال کر اُن کو علم کی روشنی تک پہنچائے جو ہماری طرف سے اُس کو پہنچا ہے جس کے ایک ادنیٰ تاریکی قیمت ساری دنیا نہیں ہوسکتی۔اور پھر اللہ کی جانب سے منادی ندا کریگا۔اے بندگانِ خدا! یہ آلِ محمدؐ کے شاگردوں میں سے ایک ہے پس جس کسی کو دنیا میں اس نے جہالت کی تاریکی سے نکالا تھا وہ اس کے نور کے ساتھ تمسک اختیار کرلیں تاکہ یہ عالم اُس کو عرصہ محشر کی تاریکی کی حیرت سے نکال کر باغاتِ جنت میں پہنچا دے۔پس جن لوگوں نے دنیا میں اُس عالم سے کسبِ فیض علم کیا ہوگا۔وہ سب اُس کے ہمراہ جنت میں داخل ہوں گے۔(ملخص حدیث)(از تفسیر انوارالنجف ج ص ۱۳۴)

* مساکین سے مراد:

(خلاصہ بحدیث) حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا:''جو شخص مساکین کی اپنے زائد مال سے خبر گیری کریگا۔خداوندِ عالم جنت میں اُس کو وسیع مقام عطا فرمائے گا۔اور اُس کو اپنی رضامندی و مغفرت سے لذت اندوز فرمائے گا'' پھر آپ نے فرمایا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علی مرتضیٰؑ کے محب مسکین ہیں۔ان کی ہمدردی عام فقراءِ و مساکین کی ہمدردی سے افضل ہے.....جو شخص دشمنانِ دین (ناصبی اور باطنی دشمن شیطان) کے اعتراضات سے بچا کر ہمارے مساکین کو ایسی دینی تعلیم دے کہ وہ مخالفوں کو منہ توڑ جواب دے کر لاجواب کردیں اور اپنے دینی اُمور میں قوی ہوجائیں اور اُن کی دینی مسکینی دور ہوجائے۔تو حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ:''جب وہ عالم قبر میں سوئے گا تو خود خداوند عالم اُس کی قبر میں اپنی زبانِ قدرت سے اُس کی تلقین پڑھے گا......پس فرمائے گا کہ تیرے لیے جنت کے بلند درجات میں نے واجب کیے ہیں'' اُسی وقت اسکی قبر بہترین گلزار ہوجائے گی۔(تفسیر انوارالنجف جلد ۲ ص ۱۳۴)

آیت القرآن نمبر ۸۵،۸۶

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا

مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ز تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ
وَالْعُدْوَانِ ط وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ
عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ط اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ
وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ج فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ
اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ج وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى
اَشَدِّ الْعَذَابِ ط وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ز فَلَا
يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾

ترجمہ

(۸۵) مگر آج تم خود ہی وہ ہو کہ ایک دوسرے کو قتل بھی کرتے ہو اپنے بھائی بندوں میں سے کچھ لوگوں کو گھر سے بے گھر بھی کر دیتے ہو۔ اور ان کے خلاف گناہ اور ظلم کے ساتھ متفقہ طور پر سازشیں کرتے ہو۔ اور جب وہ قید ہو کر تمہارے پاس آتے ہیں تو ان کیلئے فدیہ کا لین دین بھی کرتے ہو حالانکہ انہیں ان کے گھروں سے نکالنا ہی سرے سے تم پر حرام تھا۔ تو کیا تم کتاب کے کسی حصے پر تو ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصے کا انکار کرتے ہو، تو کیا سزا ہے اس کی جو تم میں سے ایسا کرے؟ سوا اس کے کہ وہ دنیا

کی زندگی میں تو ذلیل خوار ہو کر رہیں اور قیامت کے دن وہ شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیے جائیں؟ اللہ ان حرکتوں سے بیخبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔

(۸۶) یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کی زندگی بیچ کر دنیا کی زندگی خرید لی۔ لہٰذا ان کی سزا میں نہ تو کوئی کمی ہوگی اور نہ ہی انہیں کوئی مدد مل سکتے گی۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۸۵

جب یہ آیت یہودیوں کے بارے میں آئی تو حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: ''میں تم کو اپنی اُمت کے یہودیوں) کی خبروں؟'' سب حاضرین نے عرض کیا۔ ضرور۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا: '' وہ لوگ میری اُمت میں سے ہوں گے جو میری طاہر اولاد کو قتل کریں گے، میری شریعت کو بدل ڈالیں گے۔ میرے، فرزندوں حسنؑ و حسینؑ کو قتل کریں گے۔ جس طرح یہودیوں نے زکریاؑ اور یحییٰؑ کو قتل کیا تھا۔ یادرکھو! اللہ نے اُن پر لعنت کی ہے۔ اور اللہ قیامت سے پہلے حسینؑ کی اولاد میں سے ایک ھادی و مہدی کو بھیجے گا، جس کے دوستوں کی تلواریں اُن قاتلوں کو جہنم میں پہنچا دیں گی''۔ (بحارالانوار جلد ۱۰ ص ۱۹۵)

آیت القرآن نمبر ۸۷، ۸۸

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَقَفَّیْنَا مِنْۢ بَعْدِہٖ بِالرُّسُلِ ز وَاٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ط اَفَکُلَّمَا جَآءَکُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا

لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

ترجمہ

(۸۷) ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور اُن کے بعد لگا تار پیغمبر بھیجے اور (یہاں تک کہ) مریم کے بیٹے عیسیٰ کو ہم نے روشن نشانیاں، نمایاں معجزے دے کر بھیجا۔ اور روح القدس (مقدس روح) کے ذریعے اُن کی مدد کی (تو پھر یہ تمہارا کیا انداز ہے کہ) جب بھی کوئی پیغمبر تمہارے پاس اِن باتوں کو لے کر آتا ہے جن کو تمہارے نفوس پسند نہیں کرتے تو تم اُن کے مقابلے میں ہمیشہ اکڑتے ہو تو تم نے کسی کو تو جھٹلایا اور کسی کو قتل کرڈالا۔ (۸۸) اور (اس پر) وہ کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر (قدرتی) غلاف چڑھے ہوئے ہیں۔ اصل بات تو یہ ہے کہ اُن کے کفر کی وجہ سے اللہ نے اُنہیں (اپنی) رحمت سے دور کردیا ہے۔ (اس لیے) اب وہ کم ہی ایمان لائیں گے۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۸۷

"اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ" حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اس آیت کی باطنی تفسیر یہ ہے

کہ حضرت محمد مصطفٰے تمہارے پاس وہ چیز لائے جس کو تمہارے دل نہ چاہتے تھے یعنی ولایت علیؑ، تو تم اکڑ گئے اور آل محمدؑ میں سے بعض کو جھٹلا دیا اور بعض کو قتل کر ڈالا۔ (تفسیر بُرہان) اور محمد یعقوب کلینی سے بھی یہی معنی منقول ہے۔

اس کی ظاہری تفسیر یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفٰےؐ کو جھٹلایا اور حضرت زکریاؑ اور حضرت یحییٰؑ کو قتل کر دیا۔

تفسیر آیت نمبر ۸۸

''غُلْفٌ'' (یعنی دلوں پر چڑھے ہوئے) غلاف.....اور ''لعنھم اللہ'' یہاں تک لعنت سے مراد ایمان حاصل کرنے کی صلاحیت کا کم ہونا اور خدا کی توفیقات کا سَلب ہونا ہے۔ (نیشاپوری)

آیت القرآن نمبر ۸۹، ۹۰

وَلَمَّا جَآءَهُمۡ كِتٰبٌ مِّنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا
مَعَهُمۡ ۙ وَكَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ يَسۡتَفۡتِحُوۡنَ عَلَى الَّذِيۡنَ
كَفَرُوۡا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ مَّا عَرَفُوۡا كَفَرُوۡا بِهٖ ۚ فَلَعۡنَةُ
اللّٰهِ عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۸۹﴾ بِئۡسَمَا اشۡتَرَوۡا بِهٖۤ اَنۡفُسَهُمۡ اَنۡ
يَّكۡفُرُوۡا بِمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بَغۡيًا اَنۡ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ
عَلٰى مَنۡ يَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوۡ بِغَضَبٍ عَلٰى
غَضَبٍ ؕ وَلِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابٌ مُّهِيۡنٌ ﴿۹۰﴾

ترجمہ

(۸۹) اور جب اُن کے پاس اللہ کی طرف سے ایک کتاب آئی جو اُن کے پاس والی کتاب کی تصدیق کرنے والی بھی ہے، تو باوجود یکہ اس کتاب کی آمد سے پہلے وہ خود کفار کے مقابلے میں (اسی کتاب کے واسطے سے) فتح ونصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے یا فتح وظفر، کا اعلان کرتے تھے مگر اَب جب وہ (کتاب) اُن کے پاس آ گئی جسے وہ پہلے سے جانتے بھی تھے، تو وہ خود اُس کے منکر ہوگئے۔ پس خدا کی لعنت ہو منکرین (حق) پر۔

(۹۰) کیسا بُرا ہے وہ سامان جس کے عوض وہ لوگ اپنی جانیں بیچے بیٹھے ہیں[1] وہ انکار کرتے ہیں اُس کا جسے اللہ نے نازل کیا ہے، صرف اس بات کی ضد میں (کہ کیوں) اللہ نے اپنے فضل وکرم (وحی ورسالت) سے اپنے جس بندے کو چاہا نواز دیا؟ لہٰذا اب یہ اللہ کے دوہرے غضب کے مستحق ہوگئے اور ایسے منکروں کے لیے سخت ذلّت آمیز سزا مقرر ہے۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۸۹

اہل کتاب رسول اکرمؐ کی بعثت سے پہلے مدینے کے کافر مشرکوں سے تو یہ کہتے تھے کہ ابھی تم جو چاہو کرلو مگر

[1] (یعنی جس سے یہ لوگ اپنے لیے تسلی حاصل کرتے ہیں اور جس کو اپنے بچنے کا سامان سمجھتے ہیں) (از تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی)

جب محمدؐ مبعوث ہوں گے تو پھر تمہارا نام ونشان بھی نہ رہیگا۔ مگر جب حضورؐ تشریف لائے تو مدینے کے باشندے اوس وخزرج جو کافر ومشرک تھے، وہ تو حضورؐ پر ایمان لے آئے، مگر اہل کتاب حضورؐ کے دشمن ہو گئے۔ (فصل الخطاب بحوالہ بلاغی) ''فلعنۃ''، محققین نے یہ نتیجہ نکالا کہ مستحق لعنت پر لعنت بھیجنا خدا کی سنت ہے۔

تفسیر آیت نمبر ۹۰

مطلب یہ ہے کہ انسان کو نجات کے لیے ایمان اور خدا کی اطاعت کا سامان مہیا کرنا چاہیے مگر علماء یہود کفر اور حق دشمنی کا سامان جمع کر رہے ہیں۔ (امام رازی)

آیت القرآن نمبر ۹۱ تا ۹۳

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ
اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۚ وَهُوَ الْحَقُّ
مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ
مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝٩١ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى
بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ
ظٰلِمُوْنَ ۝٩٢ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ
الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا
سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۚ وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ

بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

ترجمہ

(۹۱) اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے، اُس پر ایمان لاؤ، تو وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہم (بنی اسرائیل) پر نازل ہوا ہے ہم تو اُسی پر ایمان لائے ہیں اور جو کچھ اُس کے علاوہ ہے، اُس کے وہ منکر ہیں حالانکہ وہ حق ہے اور اُن کے پاس والی (کتاب) کی تصدیق کرنے والا ہے (اچھا) کہو: اگر تم اُسی (کتاب) پر ایمان رکھتے ہو تو پھر تم انبیاءِ خدا کو اس سے قبل کیوں قتل کرتے رہے؟

(۹۲) بیشک تمہارے پاس موسیٰ روشن نشانیاں (کھلے ہوئے معجزات) لیکر آئے۔ پھر بھی تم ایسے حد سے بڑھے ہوئے تھے کہ تم بچھڑے کو اپنا معبود بنا بیٹھے۔

(۹۳) پھر ہم نے تم سے عہد لیا اور تم پر کوہِ طُور کو بلند کیا تاکہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اُسے تم مضبوطی سے پکڑ لو اور کان لگا کر سنو۔ (اس پر) اُنہوں نے کہا کہ سُن تو لیا ہم نے۔ مگر ہم مانیں گے نہیں، اور اُن کے اِنکار کے سبب اُن کے دلوں میں بچھڑے کی محبت بسی ہوئی تھی کہو: اگر تم مومن ہو تو یہ تمہارا (عجیب) ایمان ہے، جو اَیسی بُری حرکتوں کا تم سے تقاضا کرتا ہے۔

تفسیر

*علیؑ کے محبوں کو نسیم جنت خود اُٹھا کر جنت میں لیجائیگی اسی طرح اُن کے دشمنوں کو جہنم کی گرم ہوا خود اُٹھا کر جہنم میں جھونک دے گی۔(الحدیث)(یہ حدیث کا آخری جملہ تفسیر انوار النجف جلد ۲ ص ۱۳۴ سے منقول ہے)

آیت القرآن نمبر ۹۴ تا ۹۶

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً
مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ
صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ
النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُ
هُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ
الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

ترجمہ

(۹۴)(ان سے) کہو کہ اگر واقعی اللہ کے نزدیک آخرت کا گھر تمام انسانوں کو چھوڑ کر صرف تمہارے ہی لیے مخصوص ہے، تب تو تمہیں موت کی آرزو کرنی چاہیے اگر تم (اپنے

دعوٰے میں) سچے ہو۔

(۹۵)(یقین جانو کہ یہ) کبھی ہرگز اُس کی تمنّا نہ کریں گے اُن گناہوں کے سبب جو وہ اپنے ہاتھوں سے کر چکے ہیں اور اللہ (ایسے) ظالموں (حدود سے تجاوز کرنے والوں) کو اچھی طرح جانتا ہے۔

(۹۶) اور یقیناً تم اُنہیں سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر زندہ رہنے کا حریص پاؤ گے (حتّٰی کہ) مشرکین سے بھی (زیادہ) اُن میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ کاش اُسے ہزار برس کی عمر ملتی حالانکہ اتنی لمبی عمر بھی اُسے عذابِ (خدا) سے نہیں بچا سکتی اور جیسے یہ اعمال کر رہے ہیں، اللہ اُنہیں خوب دیکھ رہا ہے۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۹۴

مسلمانوں کو بتایا گیا ہے کہ نجاتِ اُخروی کسی قوم یا نسل میں پیدا ہونے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اسکے لیے ایمان وعمل صالح شرط ہیں۔

تفسیر آیت نمبر ۹۵

ظالم کبھی موت کی تمنا نہیں کرسکتا۔ مومن پاکباز ہی موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال سکتا ہے۔ علامہ اقبال کہتے ہیں:

نشانی مردِ مومن باتو گویم
چوں مرگ آید تبسم برلبِ اُوست"

یعنی: مومن کی نشانی میں تجھے بتاتا ہوں کہ جب موت آتی ہے تو اُس کے ہونٹوں پر تبسم ہوتا ہے۔
امیر المومنین حضرت علیؓ نے فرمایا: ''مجھے موت سے اتنی ہی رغبت ہے جتنی ایک بچے کو اپنی ماں کے پستان سے۔ مجھے پرواہ نہیں کہ موت مجھ پر آپڑے یا میں موت پر جا پڑوں۔

تفسیر آیت نمبر ۹۶

یہودیوں پر ضرب لگائی ہے کہ آخرت کو مانتے ہوئے بھی وہ زندگانی دنیا کے کتنے حریص ہیں مشرک اگر ایسا کریں تو خیر کیونکہ وہ آخرت کو مانتے ہی نہیں

آیت القرآن نمبر ۹۷ تا ۹۹

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ
بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى
لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ
وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَلَقَدْ
اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا
الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾

ترجمہ

(۹۷) آپ کہہ دیجئے کہ جو شخص جبریل کا دشمن ہے، (اُسے معلوم ہو) کہ اُس نے اس

(قرآن) کو اللہ ہی کی اجازت سے آپؐ کے قلب پر اُتارا ہے۔ جو پہلے آتی ہوئی (کتابوں) کی تصدیق کرتا ہے اور مومنوں کے لیے ہدایت اور (کامیابی کی) خوشخبری (بشارت) بن کر آیا ہے۔

(۹۸) (پس) جو اللہ کا، اُس کے فرشتوں، اُس کے رسولوں، اور جبریل ومیکال (میکائیل) کا دشمن ہے تو (وہ سن لے کہ خود) اللہ بھی کافروں (منکرینِ حق) کا دشمن ہے۔

(۹۹) اور (درحقیقت) ہم نے آپؐ پر بہت ہی واضح طور پر (صاف صاف حق کا اظہار کرنے والی) آیتیں اُتاری ہیں اور اُن کا اِنکار بدکردار وبداعمال لوگوں کے سوا کوئی کر ہی نہیں سکتا۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۹۷

یہودیوں کا خیال تھا کہ جبرئیل ہم پر کتنی مرتبہ خدا کا عذاب لا چکے ہیں۔ جب حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ جبرئیلؑ قرآن لے کر آئے ہیں تو یہودی بہت ہی بگڑے اور کہنے لگے کہ جبرئیل تو ہمارا پرانا دشمن ہے اس لیے وہ ہمارے خلاف ایسی آیتیں لاتا ہے۔ حالانکہ اُن کو تو سمجھنا چاہیے تھا کہ جبریل تو ایک نوری مخلوق فرشتہ ہے، وہ تو حکم خدا کا پابند ہے۔ اپنی طرف سے کوئی کام نہیں کرتا۔

جبریل کے معنی عبرانی زبان میں ''خادمِ خدا'' کے ہوتے ہیں اور یہ دولفظوں سے ملکر بنا ہے ''جبر'' بمعنی (عبرانی میں) ''خادم'' اور ''ایل'' کے معنی ''خدا'' اس لیے جبریل کے معنی: خدا کا خادم:

تفسیر آیت نمبر ۹۸

محققین نے نتیجہ نکالا ہے کہ اولیاء خدا سے دشمنی خدا سے دشمنی کے مترادف ہے۔ (طبری)

* اگرچہ جبریل ومیکائیل ملائکہ میں شامل ہیں مگر علیحدہ سے اُن کے نام اس لیے گئے تا کہ اُن کا اعلیٰ مقام معلوم ہوجائے۔ (مجمع البیان)

آیت القرآن نمبر ۱۰۱،۱۰۰

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠٠﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠١﴾

ترجمہ

(۱۰۰) (کیا ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا رہا ہے کہ) جب بھی اُنہوں نے کوئی عہد کیا تو اُن میں سے ایک گروہ نے اُسے ضرور ہی پسِ پشت ڈال دیا؟ بلکہ اُن میں اکثر ایمان نہیں لاتے۔

(۱۰۱) اور جب اُن کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی پیغمبر اس کتاب کی تصدیق کرتا

ہوا آیا، جواُن کے پاس پہلے سے موجود تھی تو اِن (اہل کتاب) کی ایک جماعت نے اللہ کی کتاب کواس طرح پسِ پشت ڈال دیا، جیسے کہ وہ اسے جانتے ہی نہ تھے۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۱۰۰

روایاتِ اہل بیت علیہم السّلام میں ہے کہ اس آیت کا تعلق بظاہر تو یہود سے ہے لیکن اس کا باطن اور تاویل اطاعتِ اہل بیت کا عہد ہے جس کو جناب رسالت مآبؐ نے اپنی اُمت کے سامنے بار بار دہرایا۔ اور اگر بالغرض روایات میں نہ بھی ہوتا۔ تاہم عقل سلیم اس امر کی گواہی دیتی ہے کہ گذشتہ انبیاء سے اُن کی اُمتوں کی عہد شکنی اگرانسان کو دائرۂ ایمان سے سے خارج کرسکتی ہے تو سیّد الانبیاءؐ کے عہد ولایت علیؑ یوم غدیر کو اُمت کا توڑ دینا کیوں نہ عہد توڑنے والوں کو ایمان سے خارج کرے گا؟ اور نیز قرآن اور اہل بیتؑ سے تمسک کا فرمان نبویؐ جو تواتر سے منقول ہے اس کو نظرانداز کرنے والے کس طرح دعوائے اسلام کرنے کا حق رکھتے ہیں؟ پس جس طرح جبریل ومیکال میں فرق کرنا یہودیوں کے لیے ندمت کا باعث ہے اسی طرح قرآن اور اہل بیت میں سے ایک کو سینے سے لگانا اور دوسرے کو چھوڑ دینا بھی منافی اسلام ہے اور جس طرح جبرئیل سے دشمنی کے ساتھ میکال (میکائیل) سے دوستی فائدہ مند نہیں، اسی طرح اہل بیت رسولؐ کے ساتھ دشمنی رکھ کر قرآن کی دوستی کا دعویٰ عبث اور فضول ہے۔ (تفسیر انوار النجف جلد ۲ ص ۱۴۸)

آیت القرآن نمبر ۱۰۲

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ
وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ

النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ
هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ
اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا
يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ
مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا
يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ
مِنْ خَلَاقٍ ۟ؕ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا
يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

ترجمہ

(۱۰۲)اور وہ لوگ پیروی کرنے لگے اُس چیز کی جو شیاطین سلیمان کی سلطنت میں پڑھ کر سنایا کرتے تھے جبکہ سلیمان نے کبھی کفر نہیں کیا تھا، بلکہ کفر تو شیطانوں نے پھیلایا تھا (کیونکہ وہ لوگوں کو جادو کی تعلیم دیتے تھے۔(نیز اُنہوں نے پیروی کی) اُس کی جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اُتارا گیا تھا (یعنی جادوگروں کے زور کو توڑنے کے طریقے) اور وہ (فرشتے) جب بھی کسی کو (وہ طریقے) تعلیم کرتے تو صاف طور پر بتادیتے کہ ہم تو صرف ایک آزمائش (کا ذریعہ) ہیں۔ تو تم کہیں کافر ہی

نہ ہوجانا مگر وہ لوگ اُن سے وہ سیکھتے تھے جس کے ذریعے شوہر اور بیوی میں جدائی ڈال دیں۔ حالانکہ خدا کی اجازت کے بغیر وہ اس کے ذریعے سے کسی کو بھی نقصان تک نہ پہنچا سکتے تھے۔ مگر وہ ایسی ہی باتیں سیکھتے تھے جو خود اُن کے لیے مفید نہ تھیں، بلکہ مُضر تھیں اور وہ یہ بھی خوب جانتے تھے کہ جو بھی اِن چیزوں کا خریدار بنا اُس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں کتنی بُری قیمت پر اُنہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا، کاش وہ اس بات کو جان لیتے۔

تفسیر

تفسیر تفسیر آیت نمبر ۱۰۲

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ: ''حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد شیطان نے جادو کا علم ایجاد کر کے اُسے کتاب میں لکھا اور اُس کتاب پر یہ لکھا کہ ''یہ خزائن علم کا ذخیرہ ہے''۔ پھر اُس کتاب کو تختِ سلیمانؑ کے نیچے دفن کر دیا اور پھر لوگوں پر ظاہر بھی کر دیا۔ پھر کفار اس کتاب کو پڑھتے تو یہ سمجھتے کہ سلیمانؑ بھی اسی جادو کی وجہ سے حکومت کرتے تھے۔ خدا نے بتا دیا کہ جادو سکھانا شیطان کا کام ہے۔
(تفسیر صافی ص ۴۲، تفسیر عیاشی و تفسیر قمی)

*حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ ''جادو کا زور ہوگیا تو اللہ نے ہاروت وماروت (پھاڑنے والا) نامی دو فرشتوں کو بھیجا تاکہ وہ اُس زمانے کے لوگوں کو جادو کے اثرات ختم کرنے کا طریقہ بتا دیں۔ کیونکہ اس تعلیم سے جادو کا طریقہ بھی آ جاتا ہے اس لیے وہ لوگوں سے پہلے ہی کہہ دیتے کہ جادو کرنا حرام ہے''۔ (باقی اس قسم کی روایات کہ وہ دونوں فرشتے ایک زہرہ نامی طوائف پر عاشق ہوگئے تھے اور شراب پی کر زنا کرتے تھے'' یہ سب جھوٹی باتیں ہیں۔ (عیون الاخبار الرضاؑ ص ۱۴۹)

*بائیبل میں بھی یہ وضاحت کی گئی ہے کہ شہر کالڈیا (کلدانیہ) کے لوگوں میں بہت سی خراب

عادتیں تھیں جن میں سرفہرست جادوگری تھی۔ بائیبل کے الفاظ یہ ہیں۔ تیرے سوداگر زمین کے امیر تھے اور تیری جادوگری سے زمین کی ساری قومیں گمراہ ہوئیں اور نبیوں اور مقدسوں اور زمین کے سب مقتولوں کا خون اس میں بہایا گیا۔'' (مکاشف ۱۸: ۲۳، ۲۴)

''اس آیت سے جادوگری کے بھیانک نتائج معلوم ہوتے ہیں'' ''پرانے کتبوں سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ''بابل'' کے کلچر میں جادو، کہانت، جنتر منتر، ٹونے ٹوٹکے بڑے زور شور سے رائج تھے۔ بابلی مذہب کا جزواعظم جادواور کہانت ہیں۔ مذہب کی کتابوں کو اُٹھا کر دیکھئے تو ہر طرف کہانت کے جنتر منتر ہی نظر آئیں گے۔'' (انسائیکلو پیڈ آف ریلیجن اینڈ ایتھکس جلد ۲ ص ۱۱۲)

''مذہب بابل و نینوا کا جزواعظم بھوت پریت کا اُتارنا جھاڑنا تھا۔'' راجوس کی ریلیجن آف بابیلونیا اینڈ ایریا ص ۱۴۵)

''بابل کے میل جول سے اسرائیل متاثر ہوئے۔خود یہودی اس کے معترف ہیں۔ بابل کا مذہبی احترام ہر خطے کے یہود میں قائم رہا'' (جیوش انسائیکلو پیڈیا جلد ۶ ص ۴۱۲)

خداوند عالم نے فلسطینیوں کے جادوگری کے قصوں میں حضرت سلیمانؑ پر بہتان کی نفی کی اور بابل کے قصّوں میں ہاروت وماروت فرشتوں کی شرافت اور عصمت کی وضاحت فرمائی اور جادو کی برائی بتائی۔

''چنانچہ ذکر بھی جادواور زناکاری کا ہمیشہ ساتھ ہی ساتھ آتا ہے۔ (جیوش انسائیکلو پیڈیا جلد ۸ ص ۲۵۵)

''جادو کا اثر اس کی حقانیت کی دلیل تھی۔ اثر تو زہر میں بھی ہوتا ہے مگر یہ عمل بُرا ناجائز ہے اس لیے تورات میں بھی اس کی ممانعت ہے تو جادوگری کو لینے مت دے۔'' (خروج ۲۲: ۱۱) اور جادو نہ کر اور ساعتوں کا لحاظ مت کرو''۔ (اخبار ۱۶: ۲۶)

آیت القرآن نمبر ۱۰۳ تا ۱۰۶

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ۭ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠٣﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا

رَاعِنَا وَقُوۡلُوا انۡظُرۡنَا وَاسۡمَعُوۡا ؕ وَلِلۡكٰفِرِيۡنَ عَذَابٌ
اَلِيۡمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ وَلَا
الۡمُشۡرِكِيۡنَ اَنۡ يُّنَزَّلَ عَلَيۡكُمۡ مِّنۡ خَيۡرٍ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ ؕ
وَاللّٰهُ يَخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِهٖ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ
الۡعَظِيۡمِ ﴿۱۰۵﴾ مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ
مِّنۡهَآ اَوۡ مِثۡلِهَا ؕ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ
قَدِيۡرٌ ﴿۱۰۶﴾

ترجمہ

(۱۰۳) اگر وہ ایمان لاتے اور اپنے بچاؤ کا بندوبست کرتے تو اللہ کے ہاں جو اس کا اُنہیں ذرا سا بھی بدلہ ملتا وہ کہیں بہتر ہوتا۔کاش وہ اس بات کو سمجھتے۔

(۱۰۴) اے ایمان والو! ''رَاعِنَا 1'' مت کہا کرو، بلکہ ''انظرنا'' کہا کرو، اور (نبی کی بات کو توجہ سے) سنا کرو۔ (کیونکہ) منکرینِ حق کیلئے دردناک عذاب ہے۔

(۱۰۵) منکرینِ حق ہیں خواہ وہ اہلِ کتاب میں سے ہوں یا مشرکوں میں سے ہوں، وہ ہرگز پسند نہیں کرتے کہ تمہارے رَب کی طرف سے تم پر کوئی بھی بھلائی نازل ہو، مگر اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص کرکے چُن لیتا ہے اور وہ بڑا ہی فضل

وکرم والا ہے۔

(۱۰۶) ہم اپنی جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا وہ بھلا دی جاتی ہے، تو ہم اُس سے بہتر یا اُس جیسی دوسری (آیت) نازل کر دیتے ہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر بات پر قدرت رکھتا ہے۔

تفسیر

1 "راعنا" کے معنی، ہمارا لحاظ کیجئے اور اس جملے کو دُہرا دیجئے" جب آنحضرتؐ خطاب فرماتے تو مسلمان تو ادب سے راعنا کا لفظ کہتے تھے تا کہ دوسری مرتبہ بھی خطاب سن لیں، لیکن یہودیوں کی زبان میں "راعنا" کے معنی یہ تھے کہ "(سُن تجھے سننا نصیب نہ ہو) اس طرح اُنہیں "راعنا" کے کہنے سے حضورؐ کی تضحیک کا موقع ظاہر اًمل گیا۔ "اسی بناءَ پر اللہ نے اس لفظ کو بدل کر "اُنظرنا" فرمایا:

تفسیر آیت نمبر ۱۰۶

حضرت امام حسن عسکریؑ سے روایت ہے کہ "خدا نے حضور اکرمؐ سے ارشاد فرمایا: "کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اس طرح "نسخ"، منسوخ کرنے اور تبدیل کرنے پر بھی قادر ہے"۔ حضرت امام محمد تقیؑ سے روایت ہے کہ: "دوسری آیت، جو منسوخ شدہ آیت کے بجائے آتی ہے اُس میں تمہارے لیے زیادہ فائدے اور اصلاحِ شرع میں "بَدَاءَ" کہتے ہیں۔ حضرت امام محمد باقرؑ نے فرمایا "خدا کا کسی مصلحت کے سبب سے کسی حکم کو تبدیل یا منسوخ کر دینا۔" جیسے حضرت یونسؑ کی قوم پر پہلے عذاب آنے والا تھا کیونکہ ان سب کے سب نے سچے دل سے توبہ کر لی تو خدا نے رحمت فرمائی اور عذاب ہٹا لیا۔ (تفسیر نور الثقلین)

آیت القرآن نمبر ۱۰۷ تا ۱۰۹

اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَمَا

لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾ اَمْ تُرِيْدُوْنَ
اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ
وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ
السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ
مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ
مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى
يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾

ترجمہ

(۱۰۷) کیا تمہیں خبر نہیں کہ یہ تحقیق آسمانوں اور زمین کی حکومت اللہ ہی کے لیے ہے اور اُس کے سوا کوئی تمہاری خبر گیری اور تمہاری مدد کرنے والا (ولی) نہیں ہے؟

(۱۰۸) (پھر) کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسولؐ سے ویسا ہی مطالبہ یا سوال کرو جیسا کہ اس سے پہلے موسیٰ سے کیا گیا تھا؟ حالانکہ جو شخص بھی ایمان کے عوض کفر (وانکار کا طریقہ) اختیار کرے گا وہ یقیناً سیدھے راستے سے بھٹک گیا ہے۔

(۱۰۹) اہل کتاب میں سے اکثر لوگ یہ چاہتے ہیں کہ کسی نہ کسی طرح تمہیں ایمان (کے راستے) سے پھیر کر، پھر تمہیں کفر کیطرف پلٹا لے جائیں، اُس حسد کے سبب جو

اُن کے نفوس (دلوں) میں ہے، باوجود اس کے کہ حق اُن پر ظاہر ہو چکا ہے۔ تو تم اُن کو معاف کرتے رہو یہاں تک کہ اللہ خود اپنا حکم (عذاب) بھیج دے (مطمئن رہو) یقیناً اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۱۰۸

کتنی عجیب بات ہے کہ خدا کے اس انتباہ کے باوجود بھی مسلمانوں کے بہت سے فرقے قیامت کے دن خدا کے دیدار کے قائل ہیں۔

تفسیر آیت نمبر ۱۰۹

جنگِ اُحد کے بعد یہودیوں نے حضرت عمارؓ اور حذیفہؓ سے کہا کہ اگر تمہارے نبیؐ سچے ہوتے تو شکست نہ ہوتی، اب تو کہا مانو اور ہمارے دین میں چلے آؤ۔ حضرت عمارؓ نے فرمایا ''مادّی فتح و شکست کبھی حق کا معیار نہیں ہوتی۔'' جب حضور کو یہ خبر ملی تو آنحضرتؐ نے جناب عمارؓ کے حق میں دعاء فرمائی۔ (القرآن المبین)

٭قرآن کا تجزیہ کتنا فطری اور عمیق ہے کہ اہل کتاب کی اسلام دشمنی کا واحد ''حسد'' ہے۔ یہی حال اُن تمام لوگوں کا ہوتا ہے کہ جو اپنی کم عقلی اور بے عملی کی وجہ سے کمال حاصل نہیں کرتے تو دوسرے بلند مرتبہ لوگوں کو کھینچ کر نیچے لانے کی سعی کرتے ہیں۔ اس طرح نفسیاتی علاج کے طور پر خدا نے مسلمانوں کو اہل کتاب کا حقیقی مرض بتلا کر ان کے غیض و غضب کو روک دیا۔

آیت القرآن نمبر ۱۱۰ ـ ۱۱۱

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا

لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿١١٠﴾ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ
كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا
بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١١١﴾

ترجمہ

(۱۱۰) اور تم نماز کو قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو (اس لیے کہ) تم جو کچھ بھی نیک کاموں کا ذخیرہ آگے بھیج دو گے، اُسے اللہ کے ہاں موجود پاؤ گے۔ بیشک تم جو کچھ بھی کرتے ہو، سب اللہ کی نظر میں ہے۔

(۱۱۱) اور اُن کا کہنا ہے کہ ہرگز کوئی شخص بھی جنت میں نہ جائے گا مگر وہی کہ جو یا تو یہودی ہو یا (عیسائیوں کے بقول) عیسائی ہو۔ یہ سب اُن کی اپنی تمنائیں ہیں (جو بول رہی ہیں) اُن سے پوچھو کہ اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو اپنی کوئی دلیل تو پیش کرو۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۱۱۰

''وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ'' تفسیر بُرہان میں جناب رسالت مآبؐ سے ایک حدیث میں مروی ہے کہ ''نماز کی

کنجی طہارت ہے اور وہ بڑی طہارت جس کے بغیر نماز اور دیگر تمام عبادتیں نا قابلِ قبول ہیں، وہ ولایت محمدؐ وآلِ محمدؐ اور ان کے دوستوں سے دوستی اور اُن کے دشمنوں سے دشمنی رکھنا ہے۔ (مراوی ترجمہ روایت منقول از تفسیر انوار النجف ج ۲ ص ۱۵۵)

تفسیر آیت نمبر ۱۱۱

محققین نے اس آیت سے یہ نتیجہ نکالا، کہ ''خدا نے مسلمانوں کو اہل کتاب سے انتقام لینے سے روکا۔ اس سے پر موقوف نہیں ہے، زمانہ صلح یا خاموشی میں عام فرائض الٰہیہ اور حقوق النّاس ادا کرتے رہنا بھی جہاد ہے۔ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام، جب جنگ سے واپس تشریف لاتے اور کونے کے در و دیوار دکھائی دیتے تو آپؑ یہ فرمایا کرتے: ''اب ہم چھوٹے جہاد سے، بڑے جہاد کی طرف آ رہے ہیں''۔

یعنی: شہری زندگی نفس سے جہاد کرنے کا نام ہے۔ جو تلوار کے جہاد سے بڑا جہاد ہے۔

آیت القرآن نمبر ۱۱۲، ۱۱۳

بَلٰی ۚ مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ فَلَهٗۤ اَجۡرُهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿۱۱۲﴾ وَقَالَتِ الۡيَهُوۡدُ لَيۡسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَىۡءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيۡسَتِ الۡيَهُوۡدُ عَلٰى شَىۡءٍ ۙ وَّهُمۡ يَتۡلُوۡنَ الۡكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيۡنَ لَا يَعۡلَمُوۡنَ مِثۡلَ قَوۡلِهِمۡ ۚ فَاللّٰهُ يَحۡكُمُ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فِيۡمَا كَانُوۡا فِيۡهِ يَخۡتَلِفُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾

ترجمہ

(۱۱۲) حق بات تو یہ ہے کہ جو اپنی ہستی کو اللہ کی اطاعت میں سونپ دے اور عملاً نیک روش پر چلے تو ضرور اُس کے لیے اُس کے پروردگار کے پاس اُس کا اجر (عظیم) ہے۔ اور اُنہیں نہ تو کوئی خوف ہی ہوگا اور نہ (کبھی کوئی) (حزن وملال) افسوس ہوگا۔

(۱۱۳) یہودی کہتے ہیں: عیسائیوں کا مذہب کچھ بھی تو نہیں ۔اور عیسائی کہتے ہیں: یہودیوں کے پاس کچھ بھی نہیں۔حالانکہ یہ دونوں ایک ہی کتاب پڑھتے ہیں۔اسی قسم کے دعوے اُن لوگوں کے بھی ہیں جن کے پاس کتاب کا علم نہیں ہے (یعنی منکرین، مشرکین، کافرین) اِن تمام اختلافات کا فیصلہ جن میں یہ لوگ مبتلا ہیں، اللہ قیامت کے دن کردے گا۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۱۱۲

قرآن نے بتادیا کہ نجاتِ انسانی کا دارومدار فرقہ بندی اور گروہی تعصب میں نہیں ہے بلکہ نجات کا دارومدار (۱) خدا کے سامنے سرِ اطاعت جھکانے اور (۲) اچھے کام کرنے میں ہے۔ خدا نے اسلام کے بجائے ''اَسْلَمَ'' جو''فعل'' ہے استعمال فرمایا۔ مطلب یہ نکلا کہ نجات کا دارومدار مسلمان کہلوانے یا رسمی طور پر کسی جماعت میں شامل ہونے سے پیدا نہیں ہوتا، بلکہ خدا کی اطاعت کرنے سے پیدا ہوتا ہے۔ اگر خدا کی اطاعت کرتا ہے تو مسلم ہے۔(ملخص از فصل الخطاب)

اس آیت سے خاص طور پر مسلمانوں اور متعصب تنگ نظر پیشہ ور ملاؤں کو سبق سیکھنا چاہیے جو زندگی بھر کسی

ایک فرد کو بھی مسلمان تو نہیں بنا سکے مگر لاکھوں مسلمانوں کو کافر ہونے کے فتوے ضرور صادر کرتے رہتے ہیں اور یہ فتوے بالکل معمولی ''لایعنی''، مہمل، بے کار بحثوں اور اختلافات پر ہوتے ہیں۔ آج بالکل یہی حال مسلمانوں کا ہے جو خدا نے اس آیت میں اہلِ کتاب کا بتایا ہے۔ بقول اقبال:

دینِ مرداں فکرو تدبیر جہاد
دینِ ملّا فی سبیل اللہ فساد

آیت القرآن نمبر ۱۱۴، ۱۱۵

وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنۡ يُّذۡكَرَ فِيۡهَا اسۡمُهٗ
وَسَعٰى فِىۡ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓٮِٕكَ مَا كَانَ لَهُمۡ اَنۡ يَّدۡخُلُوۡهَآ
اِلَّا خَآٮِٕفِيۡنَ ؕ لَهُمۡ فِى الدُّنۡيَا خِزۡىٌ وَّلَهُمۡ فِى الۡاٰخِرَةِ
عَذَابٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلّٰهِ الۡمَشۡرِقُ وَالۡمَغۡرِبُ ۚ فَاَيۡنَمَا
تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۱۱۵﴾

ترجمہ

(۱۱۴) اور اُس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا، جو اللہ کی مسجدوں میں اُسی کا نام لیے جانے سے روکے اور اُن کی بربادی اور ویرانی کی کوشش کرے۔ ایسے لوگ تو اسی قابل ہیں کہ (ان مسجدوں میں) قدم نہ رکھیں، اور اگر وہاں جائیں بھی تو ڈرتے ڈرتے چوری

چھپے۔ ان کے لیے تو دُنیا میں بھی رسوائی ہے اور آخرت میں تو اُن کے لیے بڑا ہی سخت دردناک عذاب ہے۔

(۱۱۵) اور مشرق و مغرب (سب) اللہ ہی کے تو ہیں۔ تو تم جس طرف بھی رُخ کرو گے، اُسی طرف اللہ کا رُخ ہے۔[1] یقیناً اللہ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۱۱۴

اگرچہ یہ آیت مشرکین قریش کے بارے میں نازل ہوئی تھی مگر اس کا حکم عام ہے جیسے اور اسی قسم کی تمام آیتوں کا حال ہے یعنی جو شخص جہاں کہیں خدا کی عبادت سے روکے (یا مساجد تعمیر کرنے میں رکاوٹ پیدا کرے) وہ سب سے بڑا ظالم ہے کیونکہ حدیثِ رسولؐ ہے کہ ''زمین خدا کی عبادت ہی کے لیے ہے'' (بلاغی) علاوہ ازیں قرآن میں یہ بھی ہے کہ ''اِنّ ارضی واسعۃٌ فایایَ فاعْبُدُوْن'' (عنکبوت ۵۶)

''بے شک میری زمین وسیع ہے پس میری ہی عبادت کرو''

تفسیر آیت نمبر ۱۱۵

یہ آیت نوافل (نمازِ نافلہ) کے بارے میں ہے کیونکہ حالتِ سفر میں جس طرف انسان جارہا ہو اُسی طرف منہ کر کے نافلہ نماز ادا کرسکتا ہے۔ کیونکہ آنحضرتؐ نے خیبر کو جاتے ہوئے اور مکہ سے واپس مدینہ آتے ہوئے سواری پر نوافل ادا کیے حالانکہ آپؐ کی پشت قبلہ کی طرف تھی (انوار النجف ج ۲ ص ۱۵۷)

*حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''نافلہ نمازوں کو تو جدھر کو سواری جاری ہو اُدھر منہ کر کے پڑھ سکتے ہیں لیکن واجب نماز قبلہ کی طرف رُخ کر کے پڑھو۔ سوائے حالتِ خوف کے۔ نہ ہی (کشتی، ریل، ہوائی

[1] نماز میں قبلہ رُخ ہونا خدا کے حکم کی تعمیل ہے ورنہ اللہ تو ہر سمت میں موجود ہے۔

جہاز) تواس میں کوشش کر کے قبلہ رُخ کھڑے ہوکر فرض نماز پڑھو۔ پھر اگر وہ کسی طرف مُڑ جائے تو کچھ پرواہ نہیں۔''
الفقیہ''میں ہے کہ یہ آیت اُس وقت کے لیے ہے کہ جب قبلہ کی سمت پہچاننا ممکن نہ ہو۔
*خودقبلہ ہی کو دیکھئے کہ کسی ملک میں مشرق میں ہوگا کسی میں مغرب کی سمت میں ہوگا صرف یگانگت کے لیے کعبہ سمت کی مقرر کی گئی ہے۔

آیت القرآن نمبر ۱۱۶ تا ۱۱۸

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ
كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا يُكَلِّمُنَا
اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ
مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ
لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

ترجمہ

(۱۱۶) اور وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی کو اپنا بیٹا بنالیا ہے اللہ تو پاک ہے اِن باتوں سے ۔ بلکہ آسمانوں اور زمین کی تمام موجودات خدا کی ملکیت ہیں۔ سب کے سب اُس کے

سامنے جھکے ہوتے ہیں۔

(۱۱۷) وہی آسمانوں اور زمین کا ایجاد کرنے والا ہے، اور جس بات کو وہ طے کر لیتا ہے تو اُس کے لیے بس یہ کہہ دیتا ہے کہ ''ہوجا'' اور وہ ہوجاتی ہے۔

(۱۱۸) اور نادان کہتے ہیں کہ آخر اللہ ہم سے (خود) بات کیوں نہیں کرتا؟ یا اُس کی کوئی آیت (نشانی) ہمارے پاس کیوں نہیں آتی؟ ایسی ہی باتیں اُن سے پہلے کے لوگ بھی کیا کرتے تھے۔ ان سب کی ذہنیتیں ایک ہی جیسی ہیں (بہرحال) یقین لانے والوں کے لیے تو ہم اپنی نشانیاں صاف صاف نمایاں بیان کر چکے ہیں۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۱۱۶

مطلب یہ ہے کہ اگر تم مسیح کو خدا کا بیٹا اس طرح سمجھتے ہو کہ وہ خدا کا جزو ہیں تو یہ بات خدا کی شان کے خلاف ہے وہ اس قسم کے تعلقات سے بلند اور پاک ہے۔ اسی لیے ''سبحٰنَہٗ'' فرمایا۔ اور اگر تم مسیح کو اس لیے خدا کا بیٹا کہتے ہو کہ وہ خدا کے فرمانبردار تھے، تو یہ کوئی صرف اُن کی ہی خصوصیت تو نہیں، زمین و آسمانوں کی ہر چیز خدا کی فرمانبردار ہے (فصل الخطاب)

تفسیر آیت نمبر ۱۱۸

کافروں کا یہ کہنا کہ خدا ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا؟ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ''اللہ بہتر جانتا ہے کہ اپنی رسالت کو کس جگہ قرار دے''۔ یعنی ہر انسان میں یہ صلاحیت نہیں کہ وہ خدا سے ہم کلام ہو سکے۔ دوسرا مطالبہ کافروں کا یہ تھا کہ ہمارے پاس کوئی نشانی آئے۔ یہ مطالبہ درست تھا، لیکن حضور اکرمؐ کئی معجزات و دلائل پیش کر چکے تھے مگر یہ لوگ مانتے ہی نہ تھے اور خواہ مخواہ کی رٹ لگائے رہتے تھے، غور وفکر کرنے کی تیاری نہ تھے۔

آیت القرآن نمبر ۱۱۹ تا ۱۲۱

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ
اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا
النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ
هُوَالْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ
جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا
نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ
تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ
فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

ترجمہ

(۱۱۹) تحقیق ہم نے تمؐ کو (علم) حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔ اور (اب اس کے بعد) جہنم والوں کی ذمے داری (جوابدہی) آپؐ پر

نہیں ہے۔

(۱۲۰) یہودی اور عیسائی تو آپؐ سے کبھی ہرگز راضی نہ ہوگے آپؐ (صاف صاف) کہہ دیں کہ (اصل) ہدایت تو بس اللہ کی ہدایت ہے، اور اگر اس علم کے بعد بھی جو تمہارے پاس آچکا ہے، تم نے اُن کی خواہشات کی پیروی کی، تو پھر اللہ کی پکڑ سے بچانے والا نہ کوئی تمہارا یار رہی ہوگا نہ مددگار۔

(۱۲۱) جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے، وہ اس کے، پڑھنے کا حق ادا کرتے ہوئے اس کو پڑھتے ہیں، اور سچے دل سے ایمان لاتے ہیں۔ اور جو اس سے انکار کرتے ہیں تو وہی اصل میں نقصان اُٹھانے والے ہیں۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۱۲۱

پڑھنے کا حق ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ صرف (عربی کے) الفاظ زبان پر جاری نہیں کرتے یا اُنہیں (بے سمجھے) رٹ نہیں لیتے، بلکہ ان کے معانی پر غور وفکر کرتے ہیں اور پھر ان پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (بلاغی۔ فصل الخطاب)

* امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: ''تلاوت بغیر غور وفکر کے نہیں ہوتی''۔ (نہج البلاغہ)

* مولوی فلسفہ یہی ہے کہ بغیر سمجھے عربی کے الفاظ کو زبان پر جاری کیے جاؤ، تا کہ دین کا فہم ودرک ہرگز پیدا نہ ہوسکے اس طرح چودھراہٹ بھی خوب چلے گی اور جو چاہیں قوم کو پٹی پڑھا کر مال ودولت، عزت، نام ونمود بھی حاصل کرسکیں گے۔

آیت القرآن نمبر ۱۲۲ تا ۱۲۴

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

ترجمہ

(۱۲۲) اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمت تو یاد کرو جس سے میں نے تم کو نوازا تھا اور تحقیق میں نے تمہیں عالمین پر فضیلت دی (سب لوگوں سے زیادہ عطا کیا تھا)

(۱۲۳) اور ڈرو اُس دن سے، جس دن کوئی کسی کے ذرا بھی کام نہ آئے گا، نہ کسی سے کوئی معاوضہ لیا جائیگا اور نہ کوئی سفارش کسی کو کچھ فائدہ پہنچا سکے گی۔ (معلوم ہوا کہ ناشکرے، منکر اور مجرم کو شفاعت فائدہ نہ دیگی)

(۱۲۴) اور وہ وقت یاد کرو کہ جب ابراہیم کو ان کے پالنے والے نے چند باتوں میں آزمایااور وہ اُن سب باتوں میں پورے اُترے۔تو (خدا نے) فرمایا:"میں تم کو (تمام) لوگوں کاامام(پیشوا) بناتا ہوں"(ابراہیم نے دعاءً)عرض کی:

اورمیری اولاد میں سے(بھی امام مقرر فرما")(خدانے)فرمایا:"میری طرف کاعہدہ ظالموں تک نہیں پہنچے گا"۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۱۲۴

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا:"خداوندِ عالم نے حضرت ابراہیمؑ کو نبی بنانے سے پہلے اپنا عبد بنایا،اوررسول بنانے سے پہلے نبوت عطا فرمائی۔پھراُن کو اپنا خلیل یعنی دوست بنانے سے پہلے رسول بنایا۔اورامام بنانے سے پہلے خلیل بنایا۔جب خلیل کا عہدہ حاصل کر چکے تو اللہ نے فرمایا"انی جاعلك للناس اماماً"،یعنی"اب میں تم کو(تمام) انسانوں کے لیے امام بناتا ہوں)(عطائے عہدہ کی ترتیب سے معلوم ہوا کہ سارے عہدوں میں سب سے افضل عہدہ،امامت" کا عہدہ ہوتا ہے کیونکہ وہ سب سے آخر میں عطا ہوا۔)اوراس عہدہ امامت کی حضرت ابراہیمؑ کے دل میں اتنی عظمت تھی کہ آپؑ نے اسی عہدے کو اپنی اولاد کے لیے خدا سے درخواست کی خدا نے ارشاد فرمایا:"یہ میرا عہدہ ظالموں (غیر معصوموں) کونہیں ملے گا۔"(تفسیر صافی ص ۴۶ بحوالہ کافی)

٭علم کلام کے ماہرین نے یہ نتائج اخذ کیے کہ:(۱)امام خدامتعین کو بناتا ہے۔کوئی غیر معصوم،گنہگار یا ظالم امام نہیں ہوسکتا۔کیونکہ خدا نے فرمایا:"ومن یتعد حدود اللہ فاولٓئك ھم الظّٰلمون "(بقرہ۔آیت ۲۳۹)(یعنی اور جولوگ خدا کی مقرر کی ہوئی حدیں توڑتے ہیں وہ ظالم ہیں")اس آیت نے ہراُس شخص کی امامت کو

باطل کردیا جس کے دامن پر ظلم کا ایک چھینٹا بھی ہو۔(۳) جس نے کفر یا شرک کا ارتکاب کیا ہو وہ ہرگز امام نہیں ہوسکتا۔(۵) محققین نے نتیجہ نکالا کہ جب ابراہیمؑ کو نبی رسول اور خلیل ہونے کے باوجود 'امامت' امتحان کے بعد ملی، تو ثابت ہوا کہ اگر چہ لغوی معنی ہیں تو ہر نبی امام ہے لیکن منصب کے اعتبار سے امامت ایک خاص عہدہ ہے جو نبوت اور رسالت کے لیے لازمی نہیں۔(٦) معلوم ہوا کہ امامت نبی کی اولاد کو ملتی ہے اصحاب کو نہیں اسی لیے حضرت ابراہیمؑ نے اولاد کے لیے دعاء فرمائی، اصحاب کے لیے نہ فرمائی۔(تفسیر فصل الخطاب از مولانا علی نقی، علی اللہ فارا)

آیت القرآن نمبر ١٢٥

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

ترجمہ

(١٢٥) اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے اس گھر (کعبہ کو) لوگوں کا مرکز اور امن کی جگہ قرار دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ ابراہیمؑ جہاں عبادت کے لیے کھڑے ہوتے ہیں اُس مقام کو مستقل نماز کی جگہ بنالو۔ اور ابرہیمؑ و اسمٰعیلؑ کو حکم دیا تھا کہ میرے اس گھر کو طواف، اعتکاف رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے صاف رکھنا۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۱۲۵

خدا کا کعبہ کو ''اپنا گھر'' فرمانا یا اپنی طرف نسبت دینا اظہارِ شرف اور فضیلت کے بیان کرنے کے لیے ہے جیسے۔ حضرت آدمؑ کے لیے ارشاد فرمایا: فَاِذَا نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ ''پس جب میں اس میں اپنی روح پھونکوں'' یا حضرت عیسیٰؑ کو ''روح اللہ'' یعنی اللہ کی روح، فرمایا ان تمام نسبتوں کا مقصد عظمت اور فضیلت کو بیان کرتا ہے ۔ یہاں جسمیت کا تصوّر دور دور تک نہیں ہوتا۔

آیت القرآن نمبر ۱۲۶، ۱۲۷

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾

ترجمہ

(۱۲۶) اور (وہ وقت بھی یاد کرو کہ) جب ابراہیمؑ نے دعاء کی: اے میرے پالنے والے! اس شہر (مکہ) کو امن کا شہر بنادے۔ اور اس کے رہنے والوں میں سے جو خدا

اور یومِ آخرت کو مانیں، اُنہیں (ہرقسم کے) پھلوں کی روزی عطا فرما'' (اللہ نے) فرمایا: ''جو (مجھے اور یومِ آخرت کو) نہ مانے گا، میں تو اُسے بھی کچھ فائدہ دوں گا، پھر اُسے ''زبردستی'' عذابِ جہنم کی طرف گھسیٹوں گا، اور وہ تو بدترین ٹھکانا ہے''۔

(۱۲۷) اور (یاد کرو وہ وقت) جب ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ اس گھر (کعبہ) کی بنیادیں اُٹھا رہے تھے (اور یہ دعاء بھی کررہے تھے کہ) ''اے ہمارے پالنے والے! ہم سے (یہ خدمت) قبول فرمالے۔ بیشک تو (سب کی) سننے والا (اور سب کچھ) جاننے والا ہے۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۱۲۶

جناب رسالت مآبؐ نے ارشاد فرمایا: ''ابتدائے خِلقت سے مکہ احترام کی جگہ رہا ہے'' دوسری حدیث میں ہے ''ابراہیمؑ نے مکہ کو حرم بنایا اور ہم نے مدینے کو حرم بنایا ہے۔'' (تفسیر انوار النجف جلد ۲ ص ۱۷۲)

تفسیر آیت نمبر ۱۲۷

امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ ''آسمان سے پہلی چیز جو نازل ہوئی وہ یہی ''بیت اللہ'' ہے جو مکہ میں رکھا گیا اور یہ یاقوتِ سُرخ کا تھا۔ جب نوحؑ کی قوم نے فسق و فجور کیا تو اسے اُٹھالیا گیا۔ اور حضرت ابراہیمؑ نے اسی کی بنیادوں پر تعمیر نو کا کام شروع کردیا[1]

کعبہ کی قدامت کو غیروں نے بھی تسلیم کیا ہے ''یہ وہ معبد ہے جس کی قدامت عہد تاریخ سے پہلے کی ہے۔'' (محمد اینڈ محمد ازم ص ۱۶۶)

*حضرت ابراہیمؑ کی دعاء کہ مالک تو اپنے فضل و کرم سے اس حقیر عمل کو قبول فرمائے ''یہی باطنی احساس اس

[1] تفسیر انوار النجف ج ۲۔ ص ۱۷۸

مومن کے عمل کو معراجِ قبول تک پہنچادیا کرتا ہے“(ملخّص)(از فصل الخطاب)

آیت القرآن نمبر ۱۲۸،۱۲۹

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۖ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾

ترجمہ

(۱۲۸) اے ہمارے پالنہار! ہم دونوں کو اپنا ”مُسلم“(مطیع وفرماں بردار) بنادے۔اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی قوم کو اُٹھا(پیدا کر) جو تیری ”مسلم“(فرماں بردار) ہو۔اور ہمیں اپنی اطاعت کے طریقے (آنکھوں سے) دکھادے۔اور ہماری طرف خصوصی توجہ مبذول فرما۔یقیناً تو بڑا توجہ فرمانے والا مہربان ہے۔

(۱۲۹) اے ہماری پرورش کرنے والا! اور اُن میں سے خود اُنہیں میں کا ایک ایسا رسولؐ بھیجنا جو اُنہیں تیری آیتیں پڑھ(پڑھ) کر سُنائے، اُن کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے

اور اُن کے اخلاق کو بھی دُرست کر کے اُن کی زندگیاں سنوار دے بیشک تو زبردست اقتدار والا، بڑا ہی حکمت والا ہے۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۱۲۸

''مُسۡلِمۡ'' کے معنی ''سراطاعت سے جھکا دینے والا'' اور ''مَنَاسِكَ'' کے معنی ''تمام عبادت کے طریقے'' اور ''توبہ'' کے معنی خدا کی طرف توجہ کرنا'' کیونکہ گناہ بھی خدا ہی کی توجہ سے معاف ہوتا ہے اس لیے گناہ کی معافی مانگنے کو بھی توبہ کہتے ہیں۔ لیکن جب کوئی بے گناہ توبہ کرتا ہے تو اس کا مطلب خاص توجہ، اخلاصِ عبدیت، رحمتِ خصوصی اور توجہ کی زیادتی کے ہوتے ہیں۔ اور حضرت ابراہیمؑ کی توبہ کے یہی معنی ہیں۔ (فصل الخطاب)

تفسیر آیت نمبر ۱۲۹

''رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا'' اس سے مراد حضرت محمد مصطفےٰ ہیں کیونکہ دعاء مانگنے والے حضرت ابراہیم وحضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد سے سوائے آنحضرتؐ کے اور کوئی نبی ہوا ہی نہیں اور حضورؐ کا ارشاد بھی ہے کہ میں ابراہیمؑ کی دعا اور عیسیٰؑ کی بشارت کا مصداق ہوں۔ (تفسیر انوار النجف جلد ۲۔ ص ۱۷۸)

* محققین نے نتیجہ نکالا ہے کہ (۱) نبیؐ (معاذ اللہ) صرف ڈاکیہ نہیں ہوتا بلکہ مبلغِ اعظم، معلمِ اعظم، حکمت ودانائی کی انتہا پر رہنمائے اعظم، مصلحِ اعظم ہوتا ہے۔ (۲) نیز ہدایت کے لیے کتاب کافی نہیں ہوتی۔ (معلمِ کتاب کا ہونا ضروری ہے)

آیت القرآن نمبر ۱۳۰ تا ۱۳۲

وَمَنۡ يَّرۡغَبُ عَنۡ مِّلَّةِ اِبۡرٰهٖمَ اِلَّا مَنۡ سَفِهَ نَفۡسَهٗ ط

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَإِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ
الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ
لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ
يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا
وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

ترجمہ

(۱۳۰) اب کون ہوگا جو ابراہیمؑ کے طریقے سے نفرت کرے؟ سوا اُس کے جس نے خودکو بیوقوف بنا رکھا ہو۔ (ابراہیمؑ تو وہ شخص ہیں) جنہیں ہم نے دنیا میں اپنے کام کے لیے چُن لیا تھا اور آخرت میں تو اُن کا شمار صالحین (نیک لوگوں) میں ہوگا۔

(۱۳۱) (ابراہیمؑ کی فرماں برداری کا یہ حال تھا کہ) جب اُن کے پروردگار نے اُن سے کہا ''مسلم'' ہوکر سر جھکا دو'' تو اُنھوں نے فوراً عرض کیا: میں نے مسلم ہوکر اپنا سر تمام جہانوں کے مالک کے لیے جھُکا دیا''۔

(۱۳۲) اور ابراہیمؑ نے اپنے بیٹوں کو بھی اسی طریقے پر چلنے کی ہدایت کی تھی اور اسی بات کی وصیّت یعقوبؑ بھی اپنی اولاد کو کر گئے تھے کہ اے میرے بیٹو! بیشک اللہ نے تمہارے لیے یہی دین (اسلام) پسند فرمایا ہے۔ اس لیے مرتے دم تک ''مسلم'' (خدا کے فرماں بردار) رہنا۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۱۳۰

(وَمَنْ يَّرْغَبُ) اس آیت میں علت ابراہیمؑ کی پیروی کی دعوتِ عامہ ہے کیونکہ اس ملت میں نفوس اِنسان کا ایسا مکمل طریقہ ہے کہ جس سے اعراض کرنا کسی صاحبِ عقل سلیم کے لیے جائز نہیں ہے۔اس مقام پر بنی اسرائیل کو بالخصوص متوجہ کیا گیا ہے کہ اپنے باپ کی ملّت کو چھوڑ کر کس طرف جاتے ہو حالانکہ وہ مصطفٰے (اللہ کے منتخب) اور صالحین میں بھی اُن کا شمار ہے۔اسی طرح سرکارِ دو عالم جناب رسالت مآبؐ کی طرف خطاب کا رُخ موڑ کر اللہ نے تا قیامت مسلمانوں کو بھی پیغام ہدایت دیا ہے کہ خبردار ملّتِ ابراہیمؑ کو نہ چھوڑ دینا۔''سَفِهَ نَفْسَهٗ'' یعنی ملت ابراہیمؑ سے اعراض کرنے والے سوائے بیوقوفوں اور اپنے نفوس کو ہلاک کرنیوالوں کے اور کون ہوسکتا ہے۔جبکہ ابراہیمؑ اور یعقوبؑ اپنے بیٹوں، ذریت، کو اس کی وصیت بھی فرمارہے ہیں کہ اس دین کو موت تک نہ چھوڑنا۔(تفسیر انوار النجف ج ۲۔ص ۱۸۱۔ملخص)

آیت القرآن نمبر ۱۳۳، ۱۳۴

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا

يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾

ترجمہ

(۱۳۳) کیاتم لوگ اُس وقت موجود تھے کہ جب یعقوب پر موت کا وقت تھا، جب اُنہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کروگے؟ اُنہوں نے جواب دیا''ہم اُسی خدا کی عبادت کریں گے جو آپ کا معبود ہے اور آپ کے باپ، دادا، ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ کا بھی معبود واحد اور یکتا ہے اور ہم اُسی کے 'مسلم'(اطاعت گذار) ہیں۔

(۱۳۴) یہ کچھ (عظیم) لوگ تھے جو گذر گئے۔ اُنہوں نے جو کمایا (عمل کیا) وہ اُن کے لیے ہے، اور تم جو کچھ کماؤ گے وہ تمہارے لیے ہوگا۔ اور تم سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کچھ کیا کرتے تھے؟

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۱۳۳

''اِلٰهَ اٰبَآئِكَ'' جب حضرت یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو جمع کرکے دریافت فرمایا تھا کہ کس کی عبادت کروگے بعد میرے؟ تو اُنہوں نے عرض کیا تھا کہ آپ کے معبود کی اور آپ کے ''آباء'' ابراہیمؑ، اسماعیلؑ اور اسحٰقؑ کے معبود کی۔ یہاں لفظ آباء سے مراد باپ، دادا اور چچا لیے گئے ہیں کیونکہ حضرت ابراہیمؑ حضرت یعقوبؑ کے دادا تھے اور حضرت اسماعیلؑ اُن کے چچا تھے اور حضرت اسحٰقؑ اُن کے والد تھے۔ پس قرآن کی اس اصطلاح سے معلوم ہوا کہ باپ (اَب) کی لفظ دادا، چچا اور باپ، ہر ایک کے لیے استعمال کی جاسکتی ہے۔ لہٰذا مذہب امامیہ کا اعتقاد ہے کہ نبی

وامام کے والدین کافر نہیں ہو سکتے پس جن مقامات پر حضرت ابراہیمؑ کا ''اَب'' اذر'' بتلایا گیا ہے جو''مشرک اور بُت پرست تھا، اُس سے''چچا'' مراد ہے اور آذر'' حضرت ابراہیمؑ کا نسب میں چچا تھا، اُن کے والد کا نام''تارخ'' تھا۔ (تفسیر انوار النجف جلد ۲ ص ۱۸۲)

تفسیر آیت نمبر ۱۳۴

''تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ''اس آیت میں ان لوگوں کے عقیدے کی تردید ہے جو اپنے باپ، دادا کے کارناموں پر فخر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اُن کا عمل ہمارے بخشوانے کے لیے کافی ہے۔ ہر انسان اپنے اعمال کا خود ذمے دار ہے۔ اور تفسیر بیضاوی میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: ایسا نہ ہو کہ بروزِ محشر باقی لوگ اپنے اعمال کو ساتھ لائیں اور تم اپنے انساب کا سہارا لے آؤ''(بحوالہ انوار النجف ج ص ۱۸۳) محققین نے نتائج اخذ کیے ہیں کہ (۱) بزرگانِ دین سے صرف تعلق جو بغیر اتباع کے ہو بیکار ہے (۲) انسان اچھے بُرے اعمال کا خود ذمے دار ہے۔ دونوں عمل انسان انجام دیتا ہے خدا نہیں۔ (۳) انسان کی اصل کمائی اُس کا عمل ہے، مال و دولت، اولاد یا نام ونمود نہیں۔

آیت القرآن نمبر ۱۳۵، ۱۳۶

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ
اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾ قُوْلُوْٓا
اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ
وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ
مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا

نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

ترجمہ

(۱۳۵)اور وہ (یہودی اور نصرانی) کہتے ہیں کہ ''یہودی یا نصرانی ہوجاؤ تو سیدھے راستے پر آجاؤ گے'' اُن سے کہہ دیجئے۔نہیں، بلکہ ابراہیمؑ کا سیدھا سچا راستہ۔اور (ابراہیمؑ) شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔

(۱۳۶) کہہ دو کہ ہم تو ایمان لائے ہیں اللہ پر اور اُس پر جو ہمارے اوپر نازل کیا گیا ہے، اور اُس پر، جو ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اَسباط پر اُتارا گیا تھا۔اور جو موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو دیا گیا تھا، اور جو دوسرے انبیاءؑ کو اُن کے پروردگار کی طرف سے دیا گیا تھا ہم تو ان سے کے درمیان کوئی تفریق ہی نہیں کرتے۔ اور ہم تو اللہ کے ''مسلم''(یعنی) (اطاعت گذار، تابعِ فرمان) ہیں۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۱۳۵

حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ: ''حنیف'' میں طہارت بھی ہے اور دس ۱۰ باتیں بھی ہیں پانچ سر سے متعلق ہیں۔(۱) لبیں کتروانا (۲) داڑھی نہ منڈوانا (۳) بال کتروانا۔(۴) مسواک کرنا (۵) خِلال کرنا۔اور باقی پانچ جو جسم سے متعلق ہیں یہ ہیں۔(۱) تمام جسم کے بال صاف کرنا (۲) ختنہ کرانا (۳) ناخن کٹوانا (۴) غسلِ جنابت کرنا (۵) پانی سے استنجا کرنا (تفسیر عیاشی)

حنیف کے معنی: (۱) جو شخص گمراہی سے منہ پھیر کر ہدایت کی طرف توجہ کرے۔(۲) سیدھا راستہ

(۳) اسلام کی طرف پوری پوری توجہ۔ (۴) یکسوئی۔

آیت القرآن نمبر ۱۳۷ تا ۱۳۹

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

ترجمہ

(۱۳۷) اب اگر وہ اسی طرح ایمان لے آئیں جیسے تم ایمان لائے، تو وہ بھی ہدایت پا جائیں گے۔ اور اگر وہ اس (راستے) سے منہ پھیر لیں تو لازمی طور پر وہی پھوٹ ڈالنے والے، ہٹ دھرمی میں پڑے ہوئے ہیں۔ اس صورت میں اللہ اُن کے مقابلے میں تمہاری مدد کے لیے کافی ہے۔ اور وہ تو بڑا سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔

(۱۳۸) (عرض) ہم تو اللہ کے رنگ پر ہیں۔ اور اللہ سے اچھا کس کا رنگ ہوگا؟ اور ہم تو اُسی کی بندگی کرنے والے اطاعت گذار ہیں۔

(۱۳۹) کہہ دیجیۓ کہ کیا تم ہم سے اللہ کے بارے میں جھگڑتے ہو؟ حالانکہ وہی تو ہمارا بھی پالنے والا ہے اور تمہارا بھی پالنے والا ہے ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمہارے لیے تمہارے اعمال ہیں۔ بیشک ہم تو اُس کی خالص بندگی کرنے والے ہیں۔

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۱۳۸

عیسائی اپنے بچے کو بتسمہ دیتے ہیں جو غسل ہوتا ہے زرد رنگ کے پانی سے اگر اس غسل کے بغیر بچہ مرجائے تو عیسائیوں کے قبرستان میں دفن نہیں کرتے کیونکہ وہ عیسائی نہیں سمجھا جاتا۔ مگر اسلام کیونکہ دین فطرت ہے اس لیے ہر بچہ ہمارے نزدیک مسلمان پیدا ہوتا ہے کیونکہ یہ خدا کا دیا ہوا رنگ ہے جس طرح رنگ کا اثر رنگی ہوئی چیز پر ظاہر ہوتا ہے۔ اسی طرح محمدؐ و آلِ محمدؐ کی محبت کا رنگ محبت کرنے والوں کے طرزِ عمل سے ظاہر ہوتا ہے (صافی ص ۴۸)

*مطلب یہ ہے کہ عیسائیوں کی طرح کسی خاص منصوعی رنگ میں رنگا جانا کوئی دین کی ضرورت نہیں۔ ہمیں ایسے کسی منصوعی رنگ کی ضرورت نہیں رنگ کے معنی اثرات ہیں۔ یعنی اللہ کے ماننے کے بعد جو اثرات فکر وعمل پر مرتب ہوتے ہیں وہی اللہ کا رنگ ہے۔ جو مکارم اخلاق یعنی کردار کی بلندی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

تفسیر آیت نمبر ۱۳۹

نَحۡنُ لَهُ مُخۡلِصُوۡنَ: حضرت امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ: خالص عمل وہ ہے جس سے تجھے دوسرے کی تکلیف مطلوب نہ ہو بلکہ صرف اللہ کی رضامندی ہی مقصود خاطر ہو۔ (تفسیر انوار النجف ج ۲ ص ۱۸۴)

آیت القرآن نمبر ۱۴۰، ۱۴۱

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ
وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ
اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ
اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ
خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا
تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾

ترجمہ

(۱۴۰) (پھر) کیا تم یہ کہتے ہو کہ ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحاق، یعقوبؑ اور اسباطِ (اولادِ یعقوبؑ) یہودی یا عیسائی تھے؟ کہہ دیجئے کہ تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اُس شخص سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جس کے ذمّے اللہ کی طرف سے ایک گواہی ہو، اور وہ اُسے چھپائے؟ جبکہ اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں ہے۔

(۱۴۱) وہ کچھ لوگ تھے، جو گذر چکے، اُن کے لیے وہ ہے جو اُنھوں نے کیا اور تمہارے لیے وہ ہے جو تم کرو گے تم سے اُن کے اعمال کے بارے میں کوئی سوال ہی نہیں کیا

جائے گا۔(لہٰذا)[1]

تفسیر

تفسیر آیت نمبر ۱۴۰

"سِبْط" کی جمع "اَسْبَاط" ہے۔اس کے معنی پھیلاؤ کے ہوتے ہیں۔لمبے بالوں کو"سبط" کہتے ہیں۔سخی اسی کو"سبط الکفین" لمبے ہاتھوں والا نہ کہتے ہیں۔پوتے ونواسے کو بھی"سبط" کہتے ہیں۔کیونکہ بیٹوں کے بیٹے ہونا اولاد کا پھیلاؤ ہے اس لیے"اسباط" کے معنی پوتوں ونواسوں کے ہوتے ہیں(القرآن المبین)(سبط۔زیادہ تر نواسے کے لیے مخصوص ہے جس طرح"حفیدٌ" پوتے کے لیے مخصوص ہے۔)المنجد۔

تفسیر آیت نمبر ۱۴۱

دوبارہ اس حقیقت کو بتایا گیا ہے کہ اسلاف کے کارناموں پر فخر کرنا اور اُن کے کردار کی بلندی کی بیساکھیوں پر خود کو بلند کرنے کی کوششیں کرنا بیکار ہے۔تم کو تمہارے کارناموں کے مطابق اَجر ملے گا۔بقول اقبال:

"تھے تو آباءٔ وہ تمہارے ہی ، مگر تم کیا ہو؟
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فرواہو"

(بحداللہ پہلا پارہ مع ترجمہ ومختصراً تفسیر ختم ہوا)

❁❁❁❁❁

[1] (اُن کے بارے میں جھگڑتے رہنے سے کیا حاصل؟ تم اپنی فکر کرو اور اللہ کی گواہی دے کر اُس کی بندگی کی زندگی اختیار کرو۔تم صرف اُن کی اولاد ہونے کی بناءٔ پر نجات نہیں پا سکتے)